مہوشِ افتخار

جاں آرزو

مہر ایک کالج میں لیکچرار ہے۔ اپنی کزن جائشہ کی منگنی کی تقریب میں اس لیے شرکت نہیں کرنا چاہتی کہ وہ حنان سے سامنا نہیں چاہتی جو جائشہ کا بھائی ہے۔ یہ جان کر حنان ملک سے باہر ہے۔ وہ تقریب میں شرکت کے لیے چلی جاتی ہے۔ لیکن حنان وہاں آجاتا ہے۔ مہر اسے دیکھ کر اپنے گھر واپس آنے کے لیے نکلتی ہے تو حنان سے سامنا ہوتا ہے۔ مہر کے نفرت بھرے رویے پر وہ اسے دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس توہین کو معاف نہیں کرے گا۔ حنان' زیب بیگم اور صغیر صاحب پر زور دیتا ہے کہ اب مہر کی زندگی کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ وہ کب تک اس طرح کی زندگی گزارتی رہے گی۔ مہر کا نکاح بچپن میں ہوچکا ہے۔

انجم بیگم اور زیب بیگم دونوں بہنیں ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ مہر کی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف ہو' لیکن صغیر صاحب اس کے لیے راضی نہیں۔ زیب بیگم کو حنان کے گندے کردار کا بھی اندازہ ہے۔

سیم اپنے ماں' باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ نازو نعم میں پرورش پائی۔ اس کی زندگی کی اولین ترجیح دولت ہے۔ وہ امریکہ میں تنہا رہتا ہے اور اپنی ذاتی فرم کا مالک ہے جس میں اس کا دوست مارک شریک ہے۔ وہ آزا زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے

مکمل ناول

سوزی سے اپنی پسند سے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کی لیکن پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک بار گرل لورین اس کی زندگی میں آئی۔ وہ اس کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہتی ہے۔ پھر ایک دن اس کے فلیٹ کا صفایا کر کے اس کو کچرے کے ڈھیر پر پھنکوا دیتی ہے۔ زمین پر اس کے وجود پر ٹھوکریں مارتی ہے۔ سیم ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اس کی آنکھ اسپتال میں کھلتی ہے۔ اس کا پارٹنر اور دوست مارک اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

سیم پر اس حادثے کا گہرا اثر ہے۔ وہ گم صم ہے۔ اسے بار بار وہ خواب یاد آتا ہے جو اس نے بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تھا۔

اس نے دیکھا تھا کہ تاریک انجان گلیوں میں دو بھوکے کتے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ جان بچانے کے لیے بھاگ رہا ہے۔ وہ چلا چلا کر مدد مانگ رہا ہے لیکن سب دروازے بند ہیں۔ تب اچانک ایک دروازہ نمودار ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن اندر نہیں جاتا۔ دوبارہ بھاگنے لگتا ہے۔ تب وہ کچرے کے ڈھیر پر جا گرتا ہے اور تیز بدبو اس کی ناک اور منہ میں گھسنے لگتی ہے۔

اس حادثے کے بعد سیم پہلی بار اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور تب اس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ وہ کس پناہ گاہ کے دروازے کو کھلا چھوڑ آیا ہے؟

تیسری قسط

مگر وہ اپنی بیٹی کے بچپن کو ان تلخیوں کے سپرد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ سگے سوتیلے کے کڑواہٹوں بھرے چکر میں پڑ کے نا صرف اپنی شخصیت کھو دے۔ اسی لیے انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس لفظ کے مثبت متبادل نہیں بلکہ مثبت معنی تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔

"یہاں آؤ میری جان۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے کچن میں ہی ایک جانب رکھی کرسیوں میں سے ایک پر لے کے بیٹھ گئی تھیں۔ "ایک بات یاد رکھنا بیٹا۔ اسٹیپ سسٹر یا اسٹیپ ڈاٹر ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔ بُری بات ہوتی ہے کہ آپ سنڈریلا کی بہنوں کی طرح ایک گندی اسٹیپ سسٹر ہوں، ایک بُری انسان ہوں۔ کسی کو آپ کی وجہ سے دکھ پہنچے یا تکلیف ہو، یہ غلط بات ہوتی ہے میری جان۔"

"مگر امی! یہ اسٹیپ ہوتا کیا ہے؟" ان کی گود میں بیٹھے اس نے منہ اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوتا بیٹا۔ بس جب آپ کی امی یا ابو میں سے کوئی ایک آپ کے پاس نہیں رہتا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک نئی امی یا نئے ابو دے دیتے ہیں تو پھر ان کے ساتھ جو آپ کا رشتہ ہوتا ہے وہ اسٹیپ ہوتا ہے۔

"آپ نے بس ہمیشہ ایک اچھی بہن اور ڈیڈی کی پیاری بیٹی بن کر رہنا ہے۔ آپ نے جانی اور چھوٹی کا ہمیشہ خیال رکھنا ہے۔ رکھو گی ناں؟" اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"جی۔" اس کی معصوم آنکھوں کی چمک پھر سے لوٹ آئی تھی۔

"شاباش! مجھے پتا تھا میری بیٹی میری بات ضرور مانے گی۔" اسے خود میں سموتے ہوئے انہوں نے بے اختیار اس کا سر چوما تھا۔

ان کا یہ مان اور اعتبار غلط ثابت نہ ہوا تھا۔ ان کی تینوں بیٹیوں میں بے مثال پیار تھا۔ وقت چند سال آگے سرکا تھا۔ زیب اور صغیر صاحب کی محبت اور محنت رنگ لائی تھی۔ مگر صرف بچیوں کی حد تک۔

سنی جوں جوں بڑا ہوتا گیا تھا۔ اس کی ذات میں آنے والی خود مختاری' اسے زیب سے مزید دور کرتی چلی گئی تھی۔ ان دونوں ماں بیٹی کے لیے سنی کی سرد مہری اور ناگواری میں اضافہ ہی ہوا تھا۔

وہ احمد حسن اور زیب احمد کی بیٹی "مہر احمد" کو کوئی رعایت دینے کو تیار نہ تھا.....

☼ ☼ ☼

سنی نے انٹر کا امتحان شان دار نمبروں سے پاس کیا تھا۔ اس کی کامیابی کی خوشی میں صغیر صاحب اور زیب نے اپنے پورے خاندان اور سنی کے دوستوں کی فیملیز کو کھانے پر انوائیٹ کیا تھا۔ دعوت چونکہ آج رات کی تھی' اس لیے "قاضی ولا" میں صبح سے ہی خاصی ہلچل تھی۔

نیچے کے پورشن کی اپنی نگرانی میں صفائی کروانے کے بعد مہر سکینہ کے ساتھ اوپر چلی آئی تھی۔

سکینہ کو اپنے کمرے کی صفائی کا کہہ کر وہ سنی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ دستک دے کر وہ چند ثانیے رکی تھی مگر جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ تو اس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کے اندر جھانکا اور کمرہ خالی دیکھ کے اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

"سکینہ آنٹی! آپ پہلے ادھر آجائیں۔ بھائی کا کمرہ خالی ہے۔" پلٹ کر ملازمہ کو پکارتے ہوئے وہ دروازہ کھول کے اندر چلی آئی تھی۔ ادھر ادھر بکھری چیزوں کو اپنی سمجھ کے مطابق ان کی جگہ پہ رکھتے ہوئے وہ ملازمہ سے صفائی کروا رہی تھی جب اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے کچھ نوٹوں اور سنی کی گھڑی پر اس کی نظر پڑی تھی۔

اس نے زیب کو ملازموں کی موجودگی میں ہمیشہ قیمتی چیزوں اور نقدی کو باحفاظت رکھتے دیکھا تھا۔ اب جو سنی کے پیسے اور گھڑی اسے یوں لاپروائی سے رکھے نظر آئے تو اس نے میکانکی انداز میں انہیں اٹھا لیا اور اس کی الماری کی جانب چلی آئی۔

الماری کھول کر وہ ہاتھ میں پکڑی دونوں چیزیں اندر رکھ رہی تھی جب کمرے کا دروازہ اچانک کھلا تھا اور سنی اپنے دھیان میں اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن جوں ہی اس کی نظر الماری کھولے کھڑی ماہم پہ پڑی تھی وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ پہ رک گیا تھا۔ تب ہی مہر نے بھی پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا اور سنی کو کمرے میں پا کے وہ بری طرح گھبرا گئی تھی اس نے تیزی سے مڑ کے الماری بند کی تھی۔ لیکن تب تک غصے سے کھولتا سنی اس کے سر پہ آپہنچا تھا۔

"کیا کر رہی تھیں تم؟ ہاں؟" اس کی گھورتی نگاہوں نے بے اختیار مہر کو خائف کر دیا تھا۔ ملازمہ بھی ہاتھ روک کے ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

"میں آپ کے کمرے کی صفائی کروا رہی تھی بھائی! وہ ٹیبل پہ آپ کی....."

"صفائی کروا رہی تھیں یا صفایا کر رہی تھیں؟" اس کی بات کاٹتے ہوئے سنی نے مشتعل لہجے میں کہتے ہوئے مزید آنکھیں نکالیں تو مہر اس الزام پر پلکیں جھپکنا تک بھول گئی۔

"سنی بھائی!" مارے دکھ اور بے یقینی کے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"میرے ساتھ یہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس کے آنسوؤں کو غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ بے اختیار آگے بڑھا تو مہر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

سنی کے تیور دیکھ کے سکینہ سرعت سے دونوں بچوں کی طرف چلی آئی۔

"سنی صاحب! مہر بیٹا نے کچھ نہیں کیا۔ وہ تو صرف بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔"

"کس کی اجازت سے؟" وہ یک لخت دھاڑا تو سکینہ بھی گھبرا کے چپ ہو گئی۔ "میں نے ہزار بار اسے منع کیا ہے کہ میرے کمرے میں نہ آیا کرے۔ لیکن یہ۔" وہ دانت پیستے ہوئے پل بھر کو رک کر مہر کو گھورنے لگا۔ "اپنی ماں کی طرح ڈھیٹ ہے۔"

"سنی بھائی!" اس کے طرز تخاطب نے روتی ہوئی

مہر کو جھلسا دیا تھا۔
"آواز نیچی کرو۔ تمہارے باپ کا نہیں' یہ میرا گھر ہے۔" اور مہر کے چھوٹے سے دل کی حد جواب دے گئی تھی۔ ملازمہ کے سامنے اس درجہ ذلت اسے پھوٹ پھوٹ کے رونے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی لیکن دہلیز پہ زیب کو ایستادہ دیکھ کے اس کے آنسوؤں میں شدت در آئی تھی۔ بے اختیار وہ بھاگ کر ماں سے آلپٹی تھی۔
اپنے سینے سے لگائے زیب نے فہمائشی نظروں سے سنی کو دیکھا تھا۔ جو اچانک انہیں اپنے سامنے پا کے خفیف سا ہو گیا تھا۔
"سکینہ! تم جاؤ یہاں سے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آج سنی کے الفاظ پر آگے بڑھ کر اس کے منہ پہ لگائیں۔ لیکن انہوں نے کمال حوصلے سے خود پر قابو پاتے ہوئے پہلے ملازمہ کو وہاں سے باہر کیا تھا۔
"آج تم نے بدتمیزی کی حد پار کرلی ہے سنی۔" اسے دیکھتے ہوئے وہ سپاٹ لہجے میں بولیں تو چند لمحوں کی شرمندگی کے بعد وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔
"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں نے صرف وہی کہا ہے جو سچ ہے۔" ڈھٹائی اور بے خوفی سے ان کی جانب دیکھتا وہ زیب کو صحیح معنوں میں آگ لگا گیا تھا۔
"اپنے بے ہودہ سچ اپنے پاس رکھو سمجھے! اور دوبارہ اگر گھر میں اس قسم کی بکواس کی تو میں تمہارے ڈیڈ کو بتانے میں ایک لمحہ نہیں لگاؤں گی" انگلی اٹھائے انہوں نے سختی سے اسے متنبہ کیا۔
"جائیں بتائیں ہمیں کوئی ان سے ڈرتا ہوں کیا۔" وہ دوبدو بولا۔
"سنی!" مہر کو ایک جھٹکے سے ہٹاتی وہ آگے بڑھیں تو سنی بے اختیار چپ ہو گیا۔
"اپنے ڈیڈی کے بارے میں اگر تم نے اس بدتمیزی سے دوبارہ بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" گھورتے ہوئے وہ انتہائی سختی سے بولیں۔ وہ تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کر رہے اور تم؟..... تم واقعی اس لائق نہیں ہو کہ کوئی تم سے بات بھی کرے سنی۔"
"نہ کرے۔ بالکل بھی نہ کرے۔ مجھے ویسے بھی کسی کی ضرورت نہیں۔" مارے غصے کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی زبان درازی زیب کو خاموش ہونے پر مجبور کر گئی تھی۔ مزید کچھ کہے بنا جانے کے لیے پلٹی تھیں کہ سنی کی آواز نے ان کے قدموں کی رفتار دھیمی کر دی تھی۔
"ایک بات اور آج کے بعد مجھے کوئی سنی نہیں کہے گا۔ میں صرف اپنی مما کا سنی تھا۔ آپ سب کے لیے میں حنان ہوں۔ صرف حنان!" اور زیب لب بھینچے مہر کو ساتھ لگائے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

باسکٹ بال کا میچ اپنے اختتامی مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔ اسکور بورڈ پہ دونوں ٹیموں کا اسکور برابر چل رہا تھا۔ ایسے میں دونوں کو ایک ایک پوائنٹ کی اشد ضرورت تھی۔ اردگرد بیٹھے مہمان اور میزبان کالجوں کے سپورٹ اسٹوڈنٹس کا جوش و ولولہ ان آخری لمحات میں اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ ایسے میں جب اس کے ساتھی نے اسے بال پاس کیا اور وہ مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کو ڈاج کرتا ان کے درمیان میں سے مہارت سے بال نکال کر باسکٹ کی جانب بڑھا تو سارا کورٹ تالیوں اور شور سے گونجنے لگا۔
"گو سیم گو!" سائیڈ لائن پہ کھڑی اس کے کالج کی لیڈرز نے ناچتے ہوئے اس کے نام کا نعرہ بلند کیا تو ان کے سارے سپورٹرز شامل آواز ہو گئے۔
ان نعروں نے اس کے لہو کو مزید گرما دیا۔ وہ اور جوش سے آگے بڑھنے لگا۔ اس کے اور باسکٹ کے درمیان دو کھلاڑی مزید رہ گئے تھے۔ یکایک اس نے بال کو ایک زوردار ٹپا دے کر خود کو ہوا میں اچھالا تھا۔ بال اس کے ہاتھ سے نکل کر' کھلاڑیوں کے اوپر سے گزرتی باسکٹ کے بیچ میں سے گزر گئی تھی۔ تب ہی

میچ کا اختتامی بزر زور و شور سے بجنے لگا تھا۔ اس کے ساتھی کھلاڑی دیوانہ وار اس کی جانب بھاگے تھے اور کچھ یہی حال شائقین کا بھی ہوا تھا۔ لڑکوں نے اسے کندھوں پہ اٹھا لیا تھا۔ اردگرد تالیاں بجائی جا رہی تھیں۔ نعرے لگ رہے تھے۔ ایسے رنگا رنگ اور پرجوش ماحول میں اس کے ماں باپ کی خوشی دیدنی تھی۔

"آئی ایم پراؤڈ آف مائی سن۔ دیکھو اپنے فیلوز کے درمیان کیسے ہیرو بنا ہوا ہے۔" کورٹ پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس کے باپ نے ہنستے ہوئے ساتھ کھڑی بیوی کی طرف دیکھا تھا۔ جو خود بھی دور کھڑے بیٹے کو نہار رہی تھیں۔

"وہ ہے ہی ہیرو.... خدا میرے بچے کو نظر بد سے بچائے۔ ہم بھی چلیں نیچے؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"ہاں، ہاں چلو۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھے تھے لیکن ابھی چند قدم ہی چلے تھے جب وہ انہیں اسٹوڈنٹس کے جمگھٹے سے نکل کر سائیڈ لائن کی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔

"وہ خود ہی آ رہا ہے ہمارے پاس۔" مسکراتے ہوئے اس کے باپ کی نظریں اس پر جم گئی تھیں۔ جو بے چینی سے قدم اٹھاتا آگے آ رہا تھا۔ اس کی ماں کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔ وہ بغور اپنے لاڈلے کو تک رہی تھیں جو چلتا ہوا لوگوں کے درمیان کھڑی منی اسکرٹ اور انتہائی مختصر بلاؤز میں ملبوس سنہری بالوں والی، ایک خوب صورت سی لڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ نجانے کیوں اس کی ماں کی مسکراہٹ پھیکی پڑنے لگی تھی اور پلکیں جنبش کرنا بھول گئی تھیں۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے بیٹے نے اس لڑکی کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا اور پھر اس کے چہرے پہ جھک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ہونے والی تقریب کے پیش نظر زیب نے

صغیر صاحب کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہاں لیکن بری طرح روتی اور اکھڑی ہوئی مہر کو انہوں نے بامشکل تمام چپ کروا کے رات کی تقریب کے لیے منایا تھا جو کسی طور حنان کے فنکشن میں شرکت کے لیے تیار نہ تھی۔

ماں کی زور زبردستی اور جاشی کی منتوں پہ اس نے فقط کپڑے تبدیل کر کے بال بنائے تھے۔

سی کا اپنے ساتھ ناروا سلوک تو وہ اپنے بچپن سے جھیلتی آئی تھی۔ لیکن آج جو تحقیر کا احساس اس کے انداز اور الفاظ نے مہر کے اندر جگایا تھا۔ اس نے مہر کو بہت گہری چوٹ پہنچائی تھی۔

"ارے میری بیٹی ابھی تک تیار نہیں ہوئی؟" دروازے پہ دستک کے بعد صغیر صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے اور مہر کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں آئینے کے آگے بیٹھا دیکھ کے اپنی جگہ پہ رک گئے تھے۔ انہیں روبرو پا کر مہر سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تیار ہوں ڈیڈی۔" ان کی طرف دیکھتی وہ بامشکل تمام مسکرائی تو صغیر صاحب کی نظر اس کے سادہ سے حلیے سے ہوتی اس کے ستے ہوئے چہرے پہ آ ٹھہری۔

"آپ روئی ہو مہر؟" بغور اسے دیکھتے وہ آگے آئے۔

"نہیں ڈیڈی! مجھے صبح سے فلو کی شکایت ہو رہی ہے۔" اس نے نوک زبان پہ مچلتے سچ کو زبردستی پیچھے دھکیلتے ہوئے ماں کا سمجھایا ہوا سبق دہرایا۔

"اوہو... دوائی ہے آپ نے؟" انہوں نے پریشانی سے اس کی پیشانی چھوئی۔ "اس وقت تو بخار نہیں ہے۔"

"جی لی تھی ٹیبلٹ' اسی لیے طبیعت ٹھیک ہے اب۔" وہ قصداً" مسکرائی۔

"چلو پھر نیچے چلتے ہیں۔ سارے مہمان آ چکے ہیں۔" انہوں نے اس کے شانے کے گرد بازو پھیلایا تو جاشی نے جھٹ سے ان کا دوسرا بازو تھام لیا۔

مسکراتے ہوئے دونوں بیٹیوں کے ہمراہ باہر لان میں آئے تو بے اختیار ہی کتنی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔

"یہ تیرے ڈیڈی کے ساتھ کون ہے یار؟" حنان کے دوست علی نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتے ہوئے دلچسپی سے سامنے دیکھتے ہوئے سوال کیا تو زید سے بات کرتے حنان نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور صغیر صاحب کے پہلو میں کھڑی مہر کو دیکھ کے اس کا منہ بن گیا۔

"کوئی نہیں ہے یار۔" بےزاری سے کہتے ہوئے اس نے رخ پھیرا۔

"اتنی حسین لڑکی اور تو منہ بنا رہا ہے؟" علی نے تعجب سے اسے دیکھا۔ تو سارا گروپ مارے تجسس کے مہر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"واقعی یار۔ شی از ویری بیوٹی فل!" ارحم نے علی کی تائید کی۔

"کوئی بیوٹی فل نہیں۔ میری اسٹیپ مدر کی پہلی بیٹی ہے یہ۔ اینڈ آئی جسٹ ہیٹ ہر!"

"او! تو یہ وجہ ہے تیری ناپسندیدگی کی۔" علی کی مسکراتی نگاہیں حنان پہ آ ٹھہریں "ایک بات بتا تو کب بڑا ہوگا؟" اس نے مذاق اڑاتے لہجے میں سوال کیا تو حنان کی نظروں میں ناگواری اتر آئی۔

"فضول بکواس نہ کر۔" اس نے غصے سے علی کو دیکھا۔

"بکواس نہیں کر رہا' صحیح کہہ رہا ہوں۔۔ تو ایک خوب صورت لڑکی کو صرف اس لیے خوب صورت نہیں مان رہا کہ وہ تیری اسٹیپ مدر کی بیٹی ہے۔ بچپنا نہیں تو اور کیا ہے یار۔" علی نے وضاحت کی۔

"قسم سے اگر میری اتنی حسین دشمن ہوتی اور وہ میرے گھر میں رہتی ہوتی تو میں کبھی بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

ارحم کی بات پہ نہ چاہتے ہوئے بھی حنان کی نگاہ مہمانوں کے درمیان گھومتی مہر پہ جا ٹھہری جو باٹل گرین فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ضرورت سے زیادہ ہی گلابی لگ رہی تھی۔

"اور نہیں تو کیا دشمنی کی دشمنی اور مزے کے مزے ہو جاتے۔" زید نے ہنستے ہوئے لقمہ دیا تو مہر کو

تلملا حنان بری طرح چونک گیا۔
"کبھی کبھی تو بھی عقل مندی کی بات کر جاتا ہے زید ریاض۔" حنان نے مسکراتے ہوئے کہا تو زید نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب اچھا آئیڈیا ہے یہ دشمنی نکالنے کا..... خاصا رنگین اور دلچسپ!" اس نے دور کھڑی مہر کے وجود کو سرپا ایک نئی نظر سے دیکھا۔
"ڈونٹ ٹیل می کہ تو سیریس ہے۔" علی کرسی پہ آگے کو ہوا۔
"کیوں نہیں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔" اس نے مہر سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے علی کو دیکھا۔
"حرج ہے۔ تیرے ڈیڈی کو پتا چلا نا تو ساری دشمنی ناک کے راستے نکال دیں گے تیری!" علی کے استہزائیہ انداز پہ حنان کے چہرے پہ سنجیدگی پھیل گئی۔
"مجھے اتنی سی بھی پروا نہیں ۔یہ ماں بیٹی مجھ سے ڈریں، مجھ سے خوف کھائیں۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر سکون کا احساس اور کوئی نہیں۔" اس کے لہجے کی بے خوفی اور آنکھوں کے تنفر نے وہاں بیٹھے تینوں لڑکوں پہ سکوت سا طاری کر دیا۔
وہ اپنے اندر، اپنی سوتیلی ماں اور اس کی بیٹی کے لیے کس درجے کی نفرت لیے ہوئے تھا، اس حقیقت کا ادراک انہیں اسی پل ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسے گھر آئے دس سے پندرہ منٹ ہوئے تھے اور ان پندرہ منٹوں میں اسے اپنی غلطی کے فاش ہونے کا احساس کوئی بیسیوں بار ہو چکا تھا۔
میچ کے بعد دوستوں کے ساتھ کی گئی تین چار گھنٹے کی سیلیبریشن کا سارا مزا دھواں بن کر اڑ گیا تھا اور اس وقت وہ آنسو بہاتی ماں اور گرجتے برستے باپ کے درمیان کھڑا انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں بابا! وہ میری اچھی فرینڈ ہے۔ میں نے اسے صرف گلے لگایا تھا لیکن اس نے آگے سے مجھے ....." باپ کے گھورنے پہ وہ بے اختیار جھجک کے خاموش ہو گیا۔
"میں نے تم سے کہا تھا ہنی میرے اعتبار کو ٹھیس مت پہنچانا مگر تم نے....."
"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا بابا۔ یہ یہاں کا ٹرینڈ ہے۔" اس نے بے زاری سے ان کی بات کاٹی۔
"تم یہ کیوں بھول گئے ہنی کہ تمہاری ذات کسی سے منسوب ہے۔ یو آر آ میریڈ مین!"
"ایکسکیوزمی! میں میرڈ نہیں بلکہ چائلڈ میرج کیس ہوں۔ شادی کے نام پہ جو مذاق آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے وہ مجھے کسی طور قبول نہیں!" اندر ہی اندر کھولتے ہوئے اس کے جی میں آیا تھا کہ وہ یہ حقیقت اپنے دقیانوسی ماں باپ کے منہ پہ دے مارے مگر فی الوقت وہ اتنی جرات دکھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔
"اوکے آئی ایم سوری.... آئندہ خیال رکھوں گا۔" اس لیکچر بازی سے جان چھڑانے کا اسے اس وقت یہی طریقہ سوجھا تھا۔ لیکن اسے اندازہ نہ تھا کہ اس کے چہرے پہ چھائی بے زاری کو اس کی ماں نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ کچھ غلط ہو جانے کا ہولناک احساس ان کے اندر پکڑ دھکڑ مچانے لگا تھا۔
"ایک بات یاد رکھنا ہنی۔ تم ایک مسلم ہو۔ تمہارے مذہب نے تمہارے لیے کچھ حدیں (Limits) رکھی ہیں۔ جنہیں تم کسی بھی حال میں پار نہیں کر سکتے۔" اس کے باپ نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔
"آئی نو۔" وہ منہ بناتا صوفے پہ گر سا گیا۔ اس کے باپ نے اک گہری سانس لی اور کچھ سوچتے ہوئے اس کے پاس آ بیٹھے۔
"برائی میں بہت کشش ہوتی ہے بیٹا! اس سے دور رہنا بہت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا صرف "آن دا فیلڈ" ہی ہیرو نہیں بلکہ

"آف دافیلڈ" بھی ہیرو ہے۔ وہ غلط اور صحیح میں تمیز کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔"

رسان سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تو ایک لمحے کو وہ ساری برائیاں اس کے ذہن میں گھوم گئیں جو وہ آف دافیلڈ اپنے ماں باپ سے چھپ چھپ کے کرتا رہا تھا اور کر رہا تھا۔ جن کی اسے لت لگ چکی تھی۔ اور جن کے بارے میں اسے اس پل سوچ کر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

"آئندہ کوئی بھی غلط کام کرنے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لینا کہ تم سیم نہیں بلکہ ثمروز ابراہیم ہو۔ ابراہیم ملک اور انجم ابراہیم کی ریاضتوں اور دعاؤں کا اکلوتا ثمر۔ ہماری امیدوں کا واحد مرکز اور مجھے یقین ہے کہ تم ہماری امیدوں کو نہیں توڑو گے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے ماں سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو ثمروز کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔

"میں پوری کوشش کروں گا بابا۔" اس نے ہوئے جملہ مکمل کیا۔ ابراہیم ملک کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اتنی ڈری سہمی کوشش سے کام نہیں چلے گا ینگ مین۔ تمہیں مضبوط ہونا پڑے گا۔ قدم قدم پہ بکھری برائی کو دیکھ کر اپنے اندر سر اٹھاتی خواہشات کو کچلنا قطعی آسان کام نہیں۔ لیکن جو لوگ یہ پل صراط، بنا ڈگمگائے پار کر جاتے ہیں نا بیٹا، وہی حقیقی سورما اور اصل ہیروز ہوتے ہیں۔ زندگی اپنے اصل رموز ایسے ہی قابل فخر لوگوں پر کھولتی ہے۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے نا۔

ٹوٹتا ہے جب جام آرزو
تب در آگاہی کھلتا ہے۔۔۔۔

"کیا مطلب؟" بغور ان کی ناقابل فہم باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے سیم کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"جس دن اپنی آرزوؤں، اپنی خواہشات کے پیالے کو توڑ دو گے، اس دن زندگی تم پر حقیقت کے دروازے کھول دے گی۔" اور وہ ناسمجھی کے عالم میں ان کا چہرہ تکنے گیا تھا۔

"پلیز بابا، میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے ابراہیم صاحب کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا۔

"آجائے گا۔" انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"بس تم وعدہ کرو کہ تم اس معاشرے میں پھیلی گندگی سے خود کو بچانے کی صرف کوشش نہیں بلکہ بھرپور کوشش کرو گے۔"

"او کے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" ان کی باتوں کے زیر اثر اس نے میکانکی انداز میں اپنا عہد اپنے باپ کے پھیلے ہوئے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وعدے برف کے گولوں کی طرح ہوتے ہیں، جنہیں بنانا بہت آسان لیکن سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

حنان جم سے واپس آیا تو گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ اوپر کے پورشن کا ایک چکر لگا کے لاؤنج میں آ کھڑا ہوا تھا۔ کچن سے کھٹ پٹ کی آواز پہ اس کا دھیان ملازمہ کی طرف گیا تھا۔

"سکینہ!" اس نے وہیں سے آواز دی تھی۔ لیکن سکینہ کو کچن کے بجائے اسٹڈی سے برآمد ہوتا دیکھ کے وہ چونک گیا تھا۔

"تم یہاں ہو تو کچن میں کون ہے؟"

"مہر بیٹا ہے سنی صاحب۔" اور مہر کی موجودگی کا سن کے اس کے دل میں ایک چنگاری سی روشن ہو گئی تھی۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" اس نے ایک نظر کچن کی طرف دیکھا۔

"جاشی بی بی تو ٹیوشن گئی ہیں۔ اور بیگم صاحبہ، صاحب جی کے ساتھ نویرہ بیٹا کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔" اس کی بات پہ حنان کو یاد آیا کہ نویرہ کو صبح سے بخار تھا۔ سب کی غیر موجودگی کے احساس نے یک لخت حنان کے اندر ایک کمینہ سا اطمینان پھیلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اس کی اجازت پا کے سکینہ داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جونہی اس کے

پیچھے دروازہ بند ہوا تھا۔ حنان کے لبوں پہ ایک کاٹ دار مسکراہٹ اپنی چھب دکھا کے غائب ہو گئی تھی۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

مہر کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ کوکنگ رینج کے آگے کھڑی کچھ بناتے ہوئے دھیمی آواز میں گنگنا رہی تھی۔ حنان نے ایک گہری نظر اس کی پشت پہ جھولتی نرم چمکیلی چوٹی پر ڈالی تھی۔

"ذرا اونچی آواز میں گاؤ۔ میں بھی تو سنوں، کیسی آواز ہے تمہاری۔" اور اپنے دھیان میں کھڑی مہر حنان کی اچانک مداخلت پہ، بری طرح ڈر کر اچھلی تھی۔ دھک دھک کرتے دل پہ ہاتھ رکھے وہ سرعت سے پلٹی تھی اور دروازے میں حنان کو استہزائیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے کھڑا دیکھ کے اس کے چہرے پہ ناگواری پھیلی تھی۔ وہ پارٹی والے دن سے اس سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھی۔

"ابھی سے ڈر گئیں؟" اس کے رنگ بدلتے چہرے کو بغور تکتے ہوئے وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو مہر بنا کوئی جواب دیے رُخ موڑ گئی۔ اس کی یہ بے نیازی حنان کو سلگا گئی۔

"ایک جگ شیک بناؤ میرے لیے۔" وہ حکمیہ انداز میں کہتا کچن میں رکھی چھوٹی میز اور کرسیوں کی جانب بڑھا۔

"میں چپس بنا رہی ہوں۔ آپ سکینہ سے کہہ دیں۔" اس کے انداز نے مہر کو کھولا ہی تو دیا تھا۔ وہ اپنا غصہ دبائے بے تاثر لہجے میں بولی تو حنان کے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس نے تیز نظروں سے مہر کو دیکھا۔

"میرے لیے تم ہی سکینہ ہو۔" اور مہر کا پورا وجود اہانت کے احساس سے جل اٹھا تھا۔ اس نے پلٹ کر غصیلی نظروں سے حنان کی جانب دیکھا۔

"میں چپس بنا رہی ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتی پلٹ کر فرائنگ پین میں چمچ چلانے لگی تو حنان کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔ اسے یوں اپنے قریب آتا دیکھ کے مہر بے اختیار ڈر کر دو قدم پیچھے کو ہٹی تھی۔ اسی وقت حنان نے ہاتھ بڑھا کر چولہا بند کر دیا۔

"اب بناؤ چپس۔۔۔" اس نے چپس کو چبا کر ادا کرتے ہوئے مہر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

"سنی بھائی! آپ کیوں۔۔۔"

"شیک بناؤ!" وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ مہر پورے وجود سے کانپ گئی۔

اگلے ہی لمحے وہ آنسو بہاتی، کاؤنٹر پہ رکھی فروٹ باسکٹ کی طرف بڑھ گئی تھی اور حنان اسے فاتحانہ نگاہوں سے دیکھتا، ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پر جا کے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی نظریں مسلسل گھٹ گھٹ کے روتی ہوئی مہر پہ جمی تھیں۔

دس منٹ بعد اس نے شیک کا جگ اور گلاس لا کے حنان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"یہاں بیٹھ کر مجھے ڈال کر دو۔" اور مہر کی آنکھوں میں بے بسی پھیل گئی تھی۔ جگ اٹھا کے اس نے گلاس بھرا تھا اور حنان کے کرسی کی طرف اشارہ کرنے پہ وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی۔ اپنی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس سے چھپانے کو مہر نے بے اختیار جھکالی تھیں۔ یہ جانے بغیر کہ اس کے روئے ہوئے چہرے پر گہری نم پلکوں کی جھالر اور کپکپاتے لبوں کی سرخی نے ایک پل کو حنان کو سچ میں مبہوت کر دیا تھا۔ وہ گم صم سا اسے کتنے ہی لمحے دیکھے گیا تھا۔ اور پھر ہاتھ بڑھا کے اس نے گلاس اٹھا لیا تھا۔

گلاس ختم کر کے اس نے ٹیبل پہ رکھا تو مہر نے میکانکی انداز میں جگ اٹھا لیا تھا، حنان کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ کر اس کے لمبی لمبی انگلیوں سے سجے نرم و نازک ہاتھوں پر آ ٹھہری تھیں۔

"ہاتھوں میں خاصا ذائقہ ہے تمہارے۔" اس نے ذو معنی لہجے میں کہتے ہوئے مہر کی طرف دیکھا تو وہ ناسمجھی کے عالم میں اپنی روئی ہوئی آنکھیں حنان کے چہرے پہ جما گئی اور حنان کا دل بے اختیار ڈول گیا۔

"اچھا شیک بنایا ہے۔" اس کے چہرے پر نظریں

گاڑے حنان نے بظاہر عام سے لہجے میں کہا تو مہر کو تھوڑا حوصلہ ہوا۔
"میرے چپس۔"
"ہاں جاؤ۔" دوسری کرسی کی پشت پہ بازو پھیلائے اس نے شاہانہ انداز میں اجازت دی تو وہ سرعت سے اٹھ کر کوکنگ رینج کی جانب بڑھی۔ لیکن پین پہ نظر پڑتے ہی اس کا منہ اتر گیا۔ چپس ٹھیک ٹھاک جل چکے تھے۔ اسے ساکت کھڑا دیکھ کے حنان سمجھ گیا کہ چپس کا کام تمام ہو چکا ہے۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔
"چچ چچ۔ یہ تو جل گئے سارے۔" اس کی بات پہ مہر کی آنکھیں نئے سرے سے بھر آئی تھیں۔ اس نے حنان کی طرف پلٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"آئندہ اگر مجھے انکار کرنے کی غلطی کی نا مہر احمد! تو تمہارے ہر کام کا یہی حشر کروں گا!" اس کی پشت پہ سے حنان کی سرد آواز ابھری تھی۔ اور پھر وہ پلٹ کر کچن سے باہر نکل گیا تھا۔
اس کے منظر سے غائب ہوتے ہی مہر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

سات سال، پورے سات سال بعد انجم کو پاکستان جانے کی نوید سننے کو ملی تھی اور وہ مارے بے یقینی کے پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔ کچھ یہی کیفیت ان کے برابر بیٹھے ہنی کی بھی تھی۔ مگر مارے شاک کے۔ وہ کھانے سے ہاتھ روکے باپ کو دم سادھے تک رہا تھا۔ جنہوں نے اپنے طور پہ اپنی فیملی کو ایک خوشگوار سرپرائز دیا تھا۔
"آپ سچ کہہ رہے ہیں ابراہیم؟" انجم نے خوشی سے کانپتی آواز میں پوچھا تو ابراہیم صاحب ہنس پڑے۔
"ٹھیک بائیس دن بعد ہماری فلائٹ ہے۔" خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے ٹکٹ انجم کے ہاتھ پہ رکھ دیے تھے۔ اور ہنی کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا تھا۔ اس نے سامنے پڑی پلیٹ پیچھے دھکیل دی تھی۔
"آپ بھی بابا... کم از کم بتا تو دیتے کہ پاکستان جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" اس نے بگڑے موڈ سے باپ کی طرف دیکھا۔ تو انجم ٹھٹک کر اس کا چہرہ تکنے لگیں۔
"کیوں کیا ہوا؟" ان کے برعکس ابراہیم صاحب نہ تو چونکے تھے اور نہ ہی انہوں نے اس کے خراب موڈ کو ٹھٹک کر غور سے دیکھا تھا۔ وہ بالکل نارمل لہجے میں بیٹے سے مخاطب ہوئے تھے۔
"پتا نہیں مجھے چھٹی ملے گی یا نہیں۔" باپ کے سوال پہ ہنی بے اختیار اٹکا تھا۔ اس کی بات پر جہاں انجم نے سکون بھری سانس لی تھی۔ وہیں ابراہیم صاحب بھی مسکرا دیے تھے۔
"مل جائے گی۔ تم پریشان مت ہو۔" اور ہنی بے بسی سے نگاہوں کا رخ پھیر گیا تھا۔
"یہی تو مجھے بھی ڈر ہے۔" کوفت سے سوچتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ان لوگوں کی پاکستان آمد کی اطلاع نے قاضی ولا میں رنگ بکھیر دیے تھے۔ خوشی کے مارے زیب بیگم کے پاؤں زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ سات سال بعد وہ اپنے پیاروں سے ملنے والی تھیں۔
پہلے پانچ سال تو گرین کارڈ کے حصول کی نذر ہو گئے تھے۔ انہیں کہیں آئے جائے بغیر امریکہ میں پانچ سال کے لیے مستقل اپنی رہائش رکھنی تھی۔ جبکہ گزشتہ دو سال سے ابراہیم ملک اپنی کاروباری مصروفیات میں کچھ ایسے پھنسے تھے کہ چاہ کر بھی پاکستان آنے کا پروگرام نہ بنا پائے تھے۔
زیب بیگم نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ بچپن کے اس نکاح کے بارے میں مہر سے بات کی جائے۔
"تمہیں یاد ہے مہو۔ جب نانو زندہ تھیں تو ایک دن تمہیں اور ہنی کو بہت اچھے سے کپڑے پہنا کر بہت

بڑا فنکشن کیا تھا ہم نے۔" رات کو وہ مہر کے کمرے میں آئی تھیں۔
"جس دن وہ قاری صاحب بھی آئے تھے نا امی؟" وہ قدرے جوش سے بولی تو زیب دھیرے سے ہنس پڑیں۔
"وہ قاری نہیں، قاضی صاحب تھے بیٹا۔ اس دن انہوں نے تمہارا اور ہنی کا نکاح پڑھایا تھا۔"
"کیا؟" اس کی آنکھیں پھٹی اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔
"ہاں میری جان۔ تم دونوں کا نکاح، نانو کی خواہش پہ بچپن میں ہی کر دیا تھا ہم نے۔" انہوں نے پیار سے اس کے چہرے پر جھولتی لٹیں کانوں کے پیچھے اڑسیں۔ "آئی ایم سوری بیٹا۔ لیکن تم سے اب تک ذکر اس لیے نہیں کیا تھا کہ تم بغیر کسی ڈسٹربنس کے اپنا میٹرک کلیئر کر لو۔ تھوڑی سمجھ دار ہو جاؤ۔" انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ تو دم سادھے بیٹھی مہر نے اپنی ساکت پلکیں جھپکیں۔
"امی! لیکن یہ سب۔۔۔ او خدا۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔
"جانتی ہوں کہ یہ تمہارے لیے بہت بڑا شاک ہے۔ لیکن بیٹا! انجم آپا نے بچپن میں ہی تمہیں ہنی کے لیے مانگ لیا تھا۔ پھر جب اماں کی طبیعت بہت زیادہ بگڑی تو مجبوراً" ہمیں ان کی خواہش کا احترام کرنا پڑا۔ وہ تم دونوں کی یہ خوشی اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھیں۔" بات کرتے کرتے بے اختیار زیب بیگم کی آنکھیں بھر آئیں تو مہر نے پریشان نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھا۔
"ٹھیک ہے امی! آپ لوگوں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔ لیکن امی مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔" اس کے بے بسی سے کہنے پر زیب نے پیار سے اس کا گال سہلایا۔
"میں سمجھ سکتی ہوں جان کہ تم اس وقت کیا محسوس کر رہی ہو۔ لیکن پریشان مت ہو۔ میں نے اللہ کے حکم سے تمہارے لیے بہترین فیصلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ انجم آپا میری بہن نہیں بلکہ میری ماں کی جگہ ہیں۔ ان کی ذات پر مجھے خود سے زیادہ بھروسہ ہے۔ وہ تم سے کتنا پیار کرتی ہیں تم اچھی طرح جانتی ہو۔ رہا ہنی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بھی تمہیں پھولوں کی طرح رکھے گا۔"
اور بغور ان کی بات سنتی مہر نچلا لب دانتوں تلے دبائے نظریں جھکا گئی۔ "اور امی اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"
"اللہ نہ کرے۔ ہمیشہ اچھی بات سوچتے ہیں بیٹا۔۔۔ بیٹیوں کی قسمتیں تو ویسے بھی تقدیر کے ان دیکھے ہاتھوں میں چھپی ہوتی ہیں۔ بس میری دعا ہے کہ خدا میری تینوں بیٹیوں کا نصیب بہت اچھا، بہت بلند کرے۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے لگا لیا تھا اور نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔ اس کا رونا انہیں بھی جذباتی کر گیا تھا۔
"بس۔ بس میری جان۔" زیب نے اپنے بہتے آنسو سمیٹتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا تھا۔
"اس بات کو فی الحال اپنے تک ہی رکھنا۔ تمہارے ڈیڈی نہیں چاہتے کہ اس حوالے سے گھر میں ہر وقت بات ہو اور تمہاری پڑھائی ڈسٹرب ہو۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کیے تو مہر نے خالی الذہنی کے عالم میں دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

سیم کو کالج کی طرف سے صرف پندرہ دنوں کی چھٹیاں ملی تھیں۔ کیونکہ ٹھیک سولہویں دن ان کے کالج کی باسکٹ بال ٹیم آل اسٹیٹس ٹور کے لیے روانہ ہو رہی تھی اور ٹیم میں اس کی موجودگی لازمی تھی۔
"یہ دیکھو میں نے مہر کے لیے تمہاری طرف سے ڈائمنڈ رنگ لی ہے۔" انجم نے ہاتھ میں پکڑی ڈبیا کھول کے بیٹے کے سامنے کی تو سیم کا موڈ بری طرح آف ہو گیا۔
"اس۔۔۔ کی کیا ضرورت تھی مام۔" اس نے بمشکل تمام لفظ تماشے کو زبان پر آنے سے روکا۔
"کیوں ضرورت نہیں تھی۔ ویسے تو بڑے کلچرڈ

بنے پھرتے ہو۔ اپنی بیوی کے لیے کچھ لینا ہے۔ یہ نہیں پتا تمہیں!" انہوں نے فہمائشی نظروں سے اسے گھورا تو لفظ بیوی پہ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا خاموش ہو گیا۔

"تمہارے تیور، تمہاری بے نیازی سب میری نظروں میں ہے ہنی۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اگر تم نے کسی ایسی ویسی حرکت کے بارے میں سوچا بھی تو میں مرتے دم تک تمہارا منہ نہیں دیکھوں گی!"

"کیسی فضول باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو کچھ کہا ہے؟" وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کہا نہیں لیکن کوئی انٹرسٹ بھی کبھی شو نہیں کیا۔"

"ہاں تو کیا میں سارا وقت اس کی تصویر سینے سے لگا کے پھرتا رہوں یا آپ کے پاس بیٹھا مہر مہر کرتا رہوں۔" وہ انتہائی بدتمیزی سے بولا تو انجم بیگم کا خون کھول گیا۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو ہنی؟"

"تو آپ جو غصہ دلانے والی باتیں کر رہی ہیں۔" وہ دو بدو بولا۔ انجم کی سخت نظریں دو منٹ کو اس کے چہرے پر جم سی گئیں۔

"میں نے تو کوئی غلط بات نہیں کی۔ ہاں تمہیں کیوں اتنا غصہ آ رہا ہے یہ غور طلب بات ضرور ہے۔" ان کی نگاہوں کے جتاتے تاثر نے ہنی کا خون کھولا دیا۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" اس کے تپ کر نگاہوں کا زاویہ بدلنے پر انجم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"سو دفعہ نہ کرو بیٹا۔ لیکن ایک بات اپنے ذہن میں بٹھا لو۔ تمہارے یہ تیور کسی کام نہیں آنے والے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم ہر فضول بات کو دماغ سے جھٹک کر دل سے اس فیصلے کو قبول کر لو!" قطعی لہجے میں اپنی بات مکمل کرتی وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ تو غصے سے کھولتے ہنی نے پاس پڑا تکیہ پوری طاقت سے سامنے دیوار پہ دے مارا۔

"آئی ہیٹ یو مہر احمد۔ آئی رئیلی ہیٹ یو!" اس کی سنہری آنکھیں نفرت کے احساس میں ڈوبی چنگاریاں اڑا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

رات دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ لیکن مہر کی آنکھوں میں نیند دور تک نہ تھی۔ یہ کیسا انکشاف تھا جس نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ محض چند ہی لمحوں میں مہر احمد سے مہر تموز بن گئی تھی۔

تموز ابراہیم کی امانت۔ وہ اس کی زندگی کا لازمی جز بن گیا تھا۔ اور کسی سے یوں اچانک جڑ جانے کا احساس اس کے دل و دماغ کو اس حد تک حیران کر گیا تھا کہ وہ تا حال بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ رہ رہ کر اس کی آنکھوں میں ہنی کی تصویریں گھوم رہی تھیں.... اونچا لمبا گورا چٹا۔ سنہری آنکھوں والا۔ جس کی کھڑی ناک کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا گویا اسکیل رکھ کر سیدھی لکیر کھینچی گئی ہو۔ اس کے بائیں گال پر ایک واضح سیاہ تل تھا۔

مہر نے جب کبھی اس کی تصویریں دیکھی تھیں۔ اسے یہ تل ہنی کے چہرے پہ بہت بھلا، بہت پرکشش محسوس ہوا تھا۔ لیکن وہ کبھی اس تل کو چھونے کا اختیار رکھ پائے گی، ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اور رات کے اس پہر بھی اس بات کو سوچ کر اس کے نادان دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو گئی تھیں۔ وہ بے اختیار گھبرا کر لیٹے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

اس نے پانی پینے کے ارادے سے سائیڈ ٹیبل کی طرف رخ موڑا تھا۔ لیکن وہاں جگ اور گلاس نہ پا کے اسے اپنی بے دھیانی کا احساس ہوا تھا۔ خود کو ملامت کرتی وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے ایک نظر اپنے برابر سوئی جاشی پر ڈالی تھی اور بنا کوئی آواز کیے، احتیاط سے دروازہ کھول کے باہر چلی آئی تھی۔

باہر نکل کر اس نے راہداری کی لائٹ جلائی تھی اور اسی روشنی میں چلتی سیڑھیاں اتر کر نیچے لاؤنج میں داخل ہونے کو تھی جب اچانک بائیں طرف موجود

اندھیرے میں ڈوبے ڈرائنگ روم سے نکل کر کوئی اس سے بری طرح آ ٹکرایا تھا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ چیخ طویل ہوتی ایک مضبوط ہاتھ سختی سے اس کے لبوں پہ جم گیا تھا۔

"شش میں ہوں۔" مہر کی متحوش نگاہیں خود سے بے حد قریب کھڑے حنان کے چہرے سے ٹکرائی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا پورا زور لگا کر خود کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا تھا۔ ہانپتے ہوئے اس نے ایک گھبرائی ہوئی نظر سامنے کھڑے حنان پہ ڈالی تھی۔ جس کی ہتھیلی مہر کے چہرے کی نرماہٹ پا کے سنسنا اٹھی تھی۔ بے اختیاری کے عالم میں اس کی نظریں مہر کے وجود کی طرف اٹھی تھیں اور پھر گویا پلٹنا بھول گئی تھیں۔ رات کے اس پہر' دوپٹے سے بے نیاز اپنے گھنے بالوں کی چوٹی سینے پہ ڈالے وہ حنان کا دل دھڑکا گئی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے تھے؟" اپنے کانپتے دل کو سنبھالے اس نے سوال کیا تو حنان کی نگاہیں اس کے حواس باختہ چہرے پہ آ ٹھہریں۔

"اسموکنگ کر رہا تھا۔" وہ بنا کسی تامل کے پرسکون لہجے میں بولا تو مہر کا منہ کھل گیا۔

"کیا؟"

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟" حنان نے ابرو اچکائے تو مہر کا سر خود بہ خود نفی میں ہل گیا۔

"گڈ.... تم کیا کر رہی ہو اس وقت؟" اس کی نظروں کے ارتکاز نے مہر کے اندر عجیب سی سنسناہٹ پیدا کر دی تھی۔ بے اختیار اسے اپنے حلیے کا احساس ہوا تھا۔

"میں پانی پینے آئی تھی۔" گھبرا کر اس نے لاشعوری طور پہ اپنے بازو اپنے گرد لپیٹے تھے۔

"ہاں' مجھے بھی بہت پیاس لگ رہی ہے۔" حنان اپنی سلگتی نظریں اس کے چمکتے چہرے پہ جمائے ایک قدم آگے آیا تو مہر سرعت سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"م' میں پانی لاتی ہوں۔" کچن میں داخل ہوتے ہی مہر نے سب سے پہلے لائٹ جلائی تھی۔ اور اپنا دل تھامے وہیں کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ آج حنان کی نظروں میں کیسا احساس تھا جو اس کے رونگٹے کھڑا کر گیا تھا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے بھائی کی جگہ ہیں۔" اپنی سوچ کی نفی کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر لاؤنج کی طرف دیکھا تھا اور پھر اپنے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتی فریج کی جانب چلی آئی تھی۔

دو گلاس پانی پینے کے بعد اس نے ایک صاف گلاس اور بوتل اٹھائی تھی اور بنا بتی بند کیے لاؤنج کی طرف بڑھی تھی۔ حنان صوفے کی پشت سے سر ٹکائے' نیم وا آنکھوں سے کچن کی ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ مہر نے ایک چور سی نظر اس پہ ڈالی تھی اور ہاتھ میں پکڑا۔ گلاس اور بوتل درمیانی میز پر رکھنے کو آگے آئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے وہ دونوں چیزیں وہاں رکھتی حنان نے اسے ٹوک دیا۔

"مجھے پکڑا دو۔" مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مہر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئی تھی۔ حنان نے سیدھے ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے تھے۔

لیکن جوں ہی اس نے گلاس اور بوتل کو تھاما تھا مہر اپنی پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ حنان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں نے مہر کی انگلیوں کو اچھا خاصا مس کیا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچے تھے۔ نتیجتاً" گلاس اور بوتل دونوں گرتے گرتے بچے تھے۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ ابھی گر تیں دونوں چیزیں۔" حنان کے شاطر دماغ نے صورت حال کو فوراً" بھانپ لیا تھا۔ اس نے آن واحد میں تیور بدلے تھے۔

"لگتا ہے' کچھ زیادہ ہی نیند آ رہی ہے۔ جاؤ جا کر سو جاؤ" اس کے گھور کر ڈپٹنے پہ مہر سرپٹ سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی اور سیدھا اپنے کمرے میں آ کر دم لیا تھا۔

"یا اللہ یہ میرا وہم تھا یا.... " تھوک نگلتے ہوئے وہ اپنے کمبل میں آ دبکی تھی۔

"ہو سکتا ہے، غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔ کیونکہ پہلے تو ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو مجھ سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے۔" حنان کی ڈانٹ نے اسے الجھا دیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر خود سے سوال جواب کرتی رہی تھی اور پھر اسی گومگو کی کیفیت میں اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

آنے والے دن تیزی سے پر لگا کے اڑے تھے مہر کو اس رات کے بعد حنان کے رویے میں کوئی قابل گرفت بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ سو اس نے بھی اس بات کو اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے نکال دیا تھا۔ ویسے بھی جوں جوں ہنی کی آمد کے دن قریب آ رہے تھے۔ مہر کا دل و دماغ سوائے اس کے خیال کے کسی بھی اور چیز پر مرکوز نہ رہ پا رہا تھا۔ بالآخر انتظار تمام ہوا تھا اور وہ دن بھی آ گیا تھا جب ثمروز ابراہیم مجسم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیسی ہو مہر؟" اس کے بھرے بھرے سے لب دھیرے سے مسکرائے تھے اور ساکت کھڑی مہر کی نظریں اس کے گال کے تل پہ جا ٹھہری تھیں۔ جو لبوں کے مسکراتے ہی مہر کو باقاعدہ کھلکھلا کر ہنستا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟" بامشکل تمام اس شرارتی تل سے نظریں چھڑاتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنا چاہا تھا۔ لیکن ان سنہری کانچ کے ٹکڑوں کو پوری طرح خود پہ مرکوز پا کے وہ نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"یا اللہ! میں کہاں دیکھوں؟" سٹپٹا کر سوچتے ہوئے اس نے اپنی نظروں کے لیے کوئی مرکز تلاش کرنا چاہا تھا۔ اور سامنے ناقدانہ نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے سیم نے اس کے چہرے پر پھیلتے بلاوجہ کے گلال کو دیکھ کر اک کوفت بھری سانس لی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہنی، میری جان! یہ شامی کباب لو نا۔ مجھے پتا ہے، میرے بیٹے کو بچپن سے بہت پسند ہیں۔" زیب نے کبابوں کی پلیٹ اٹھا کے بھانجے کی طرف بڑھائی تھی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ ایک ایک چیز اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے اسے کھلائیں۔ ٹیبل پہ موجود ساری ڈشز انہوں نے خاص ان تینوں کی پسند کو سامنے رکھتے ہوئے بنائی تھیں۔ ان کی بے پناہ خوشی ان کے چہرے، ان کے ایک ایک عمل سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں لیتا ہوں خالہ۔" سیم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے کر واپس میز پہ رکھ دی تھی۔ اسے زیب کے اس درجہ پیار اور توجہ سے الجھن ہو رہی تھی۔

"اوف! میرا تو جی نہیں بھر رہا اپنے بچے کو دیکھ دیکھ کے۔ ماشاء اللہ کتنا ہینڈسم ہو گیا ہے آپا!" اس کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے تکتے ہوئے وہ مسکرا کر بہن کی طرف پلٹیں تو سب کے سامنے اس تعریف پہ سیم سچ میں شرمندہ ہو گیا۔ اس کی رنگت میں یک لخت سرخی سی گھل گئی تھی۔ جسے دیکھ کے جاشی نے مسکرا کے ساتھ بیٹھی مہر کو ٹہوکا دیا تھا۔

"دیکھو تو ہنی بھائی کیسے بلش ہو گئے ہیں۔" اور مہر کے لیے مقابل بیٹھے سیم کے گلابیاں چھلکاتے چہرے پہ ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا محال ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ اپنی تصویروں اور مہر کے تصور سے بڑھ کر شاندار شخصیت کا مالک نکلا تھا۔ اس سے مل کر مہر کے لیے اپنے دل کو سنبھالنا ناممکن ہو گیا تھا۔

"بس بھی کرو زیبی! تمہاری حد سے بڑھی محبت اب بچے کو پریشان کر رہی ہے۔" صغیر صاحب کے مسکرا کر ٹوکنے پہ سوائے حنان کے سب ہی ہنس پڑے تھے۔ حنان نے جل کر ایک نظر ہنستے ہوئے سیم پہ ڈالی تھی۔

وہ آج شام سے ہی گھر سے غائب ہو گیا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے واپس لوٹا تھا۔ مہمانوں سے سرسری انداز میں مل کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اور اب کھانے میں شریک ہونے کے لیے سب کے ساتھ آ کر بیٹھا تھا کہ یہاں اس کا خون کھولانے کو یہ نئے ڈرامے دیکھنے

کو مل گئے تھے۔

"اگر زحمت نہ ہو تو مجھے بھی کوئی چاولوں کی ڈش پکڑا دے۔" سیم سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اس نے قصداً باآواز بلند کہا تو جہاں زیب بیگم نے شرمندہ ہو کر ڈش کی طرف ہاتھ بڑھائے وہیں اس کے لہجے کی تلخی پہ ایک پل کو ٹیبل پر خاموشی چھاگئی۔ بے اختیار صغیر صاحب نے خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھا، جو سب سے بے نیاز اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"کیا کرتے ہیں آپ؟" وہ کھانا ڈال کر فارغ ہوا تو سیم نے یونہی بات کرنے کو پوچھ لیا۔ اسے حنان سے مخاطب ہوتا دیکھ کے مہر اور جاشی دونوں کے چہروں پہ گھبراہٹ نمودار ہوگئی۔

"میں فی الحال کمال کرتا ہوں۔" وہ مسکرا کر طنزیہ لہجے میں بولا تو سیم کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

"جی؟"

"بھائی آج کل فارغ ہیں، ہنی بھائی۔ لیکن انہوں نے لندن میں اے سی سی اے میں داخلے کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔" حنان کے بجائے جاشی نے گھبرا کے سرعت سے جواب دیا تو سیم کی آنکھوں میں ناگواری اتر آئی۔ اس نے ایک سرد نظر اس بدتمیز لڑکے پہ ڈالی اور اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کھانے کے بعد انجم، زیب اور ہنی تینوں لان میں چلے آئے تھے۔ جبکہ دونوں مرد حضرات لاؤنج میں حالات حاضرہ سے متعلق کوئی پروگرام دیکھنے بیٹھ گئے تھے۔ جاشی کا اگلے دن ٹیسٹ تھا، سو وہ کمرے میں چلی گئی تھی اور مہر صغیر صاحب کی فرمائش پہ کچن میں سبز چائے بنانے آکھڑی ہوئی تھی۔

"یہ کیسا نمونہ آیا ہے بھئی؟" وہ چائے پیالیوں میں نکال رہی تھی جب حنان کی تمسخرانہ آواز پہ اس کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔ اس نے پلٹ کر غصے سے حنان کی طرف دیکھا جو دروازے سے کندھا ٹکائے، لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

"اتنا غصہ؟ خیر تو ہے؟" اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے بغور مہر کو دیکھا تو وہ بمشکل تمام خود پہ ضبط کرتی رخ موڑ گئی۔ چائے کپوں میں ڈال کر وہ ٹرے اٹھائے اپنے دھیان میں پلٹی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ حنان اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔

"ایک بات یاد رکھنا، باہر والوں سے پہلے گھر والوں کا حق ہوتا ہے۔" اس کے چہرے پہ نظریں جمائے اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک کپ ٹرے میں سے اٹھا لیا تو مہر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی اور پھر سائیڈ سے نکل کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

وہ ٹرے اٹھائے لان میں داخل ہوئی تو زیب اور انجم کرسیوں پہ بیٹھی باتوں میں مشغول تھیں۔ جبکہ سیم لان کے انتہائی سرے پہ ٹہلتے ہوئے فون پہ کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

"کیا لائی ہے میری بیٹی؟" اسے دیکھ کر انجم مسکرائیں۔

"گرین ٹی خالہ۔" اس نے جھک کر ٹرے ان کے سامنے کی تو دونوں نے اپنے کپ اٹھا لیے۔ مہر کی نگاہیں بے اختیار دور ٹہلتے ہنی پہ جا ٹھہریں۔

"جاؤ اسے دے آؤ۔" اس کی نظروں کے جواب میں انجم بیگم اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولیں۔ ان کی بات پر مہر کے چہرے پہ گھبراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھی تو دونوں بہنیں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔

"ایکسکیوز می۔" سیم اپنے دھیان میں اپنے دوست سے بات کر رہا تھا جب ایک نرم سی آواز اس کی پشت سے ابھری تھی۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور مہر کو ٹرے اٹھائے دیکھ کر اس نے سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائی تھیں۔

"گرین ٹی۔" اس کی بات پہ سیم نے آگے بڑھ کر کپ اٹھا لیا تھا اور پھر سے ٹہلتے ہوئے اپنی باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی اس بے نیازی پہ نجانے کیوں مہر کو مایوسی سی ہوئی تھی۔ اس کا دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ وہ چپ چپ سی ماں اور خالہ کے قریب چلی آئی تھی۔ بیٹے کی یہ حرکت انجم کی زیرک نگاہوں سے

محفوظ نہ رہ سکی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کھولتی، مسکرا کر مہر کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"مہو میری جان! جاؤ میرے کمرے سے میرا پرس لے کر آؤ۔" ان کی بات پہ مہر اثبات میں سرہلاتی اندر چل دی تھی اور چند ہی لمحوں بعد ان کا پرس لیے ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔ انجم نے ایک نظر مصروف گفتگو سیم پہ ڈالی تھی اور اگلے ہی لمحے اسے پکار لیا تھا۔

ماں کی پکار پہ سیم نے پلٹ کر دیکھا اور ان دونوں کے ساتھ مہر کو بیٹھا دیکھ کے اس کا دل بے زاری سے بھر گیا تھا۔

"او کے ڈیوڈ! میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" ان تینوں پہ نگاہیں جمائے اس نے اپنے دوست سے کہا تھا اور پھر فون بند کرتا ان کے قریب چلا آیا تھا۔

"جی مام؟"

"مہر کو اس کا گفٹ نہیں دو گے؟" انجم نے مسکراتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھا تو ان کی بات پہ جہاں مہر کا چہرہ یک لخت سرخ پڑ گیا۔ وہیں سیم کی سٹی گم ہو گئی۔

"آپ... آپ خود دے دیں نا۔" اس کے جواب زیب اور انجم دونوں ہنس پڑیں۔ مہر بھی اپنی مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا گئی۔

"لو گفٹ تمہارا اور دوں میں۔" انجم نے سر جھٹکتے ہوئے پرس کھول کے اندر رکھی مخملی ڈبیہ نکالی۔

"یہاں بیٹھو اور خود پہناؤ اپنے ہاتھوں سے۔"

انہوں نے اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سیم کو آگے بڑھنا پڑا تھا۔ اسے ماں کی اس درجہ ہوشیاری پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس لیے خاموشی سے ڈبیہ تھامے مہر کے برابر جا بیٹھا تھا۔

"پتا ہے مہو! یہ رنگ ہنی خاص طور پہ خود جا کر تمہارے لیے لایا تھا۔" انجم نے مسکراتے ہوئے بتایا تو مہر کی ساری مایوسی ہوا ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو کر اس کی پلکوں کو جھکنے پہ مجبور کر گئی تھیں۔ جبکہ سیم کا چہرہ مارے غصے کے سرخ پڑ گیا تھا۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ اس کی ماں اتنے فراٹے سے جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔

اس نے مزید کچھ کہے سنے بغیر ڈبیہ کھول کے اندر موجود انگوٹھی باہر نکالی تھی اور اپنا بایاں ہاتھ مہر کے آگے پھیلا دیا تھا۔ اس کی مضبوط چوڑی ہتھیلی پہ نگاہ پڑتے ہی مہر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنا یخ پڑتا ہاتھ جھجکتے ہوئے سیم کی طرف بڑھایا تھا۔ دونوں کی انگلیاں مس ہوئی تھیں اور مہر کے پورے وجود میں کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔

اس نے میکانکی انداز میں انگوٹھی مہر کی انگلی میں منتقل کی تھی اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"اللہ میرے بچوں کی جوڑی سلامت رکھے۔" اس خوب صورت منظر نے زیب کو آبدیدہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھیں اور آگے بڑھ کر انہوں نے سیم کا سر چوم لیا تھا۔

"میری مہو کا خیال رکھو گے نا ہنی؟" اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے انہوں نے بڑی آس سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور سیم اس پل سوائے اثبات میں سرہلانے کے اور کچھ نہ کر سکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہنی کے فقط بارہ دن کے پروگرام نے سب کو ملول کر دیا تھا۔ رہ رہ کر ان کے لبوں پر اس کے چند دنوں کی آمد کا گلہ آ ٹھہرتا تھا۔ جو مہر کے دل کی آواز تھا۔

آج وہ سب صبح سے "دلی تنگی" کی حسین وادی میں پکنک منانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اتوار کی چھٹی کی وجہ سے صغیر قاضی بھی اس پروگرام میں شامل تھے سوحتان کو نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ آنا پڑا تھا۔ ورنہ اتنے دنوں میں وہ ان کے کسی پروگرام میں شامل نہ ہوا تھا۔

موسم کی جولانی آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بادلوں نے صبح سے ہی آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا، لہراتے درخت، چشموں کا بہتا ہوا شفاف

پانی اور ارد گرد کھڑے بلند و بالا پہاڑ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سیم کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ اسے یوں قہقہے بکھیرتا دیکھ کے مہر کو خوشگوار حیرت نے آن گھیرا تھا۔ وگرنہ وہ تو اسے اب تک خاصا کم گو سمجھے ہوئے تھی۔

اتنے دنوں میں اس کی شخصیت مہر کے سامنے ایک ڈیسنٹ اور سلجھے ہوئے انسان کے طور پہ ابھر کر آئی تھی۔ جسے اپنے جذبات اور اپنی آنکھوں پہ کمال کا کنٹرول حاصل تھا۔ اس نے ایک پل کے لیے بھی اپنے اور مہر کے درمیان موجود رشتے کا فائدہ اٹھا کر کوئی اخلاق سے گری ہوئی بات یا حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ وہ امریکہ جیسے کھلے ملک کا پروردہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے مہر کو کسی بھی غیر معمولی بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اور اس چیز نے مہر احمد کے معصوم سے دل میں تموز ابراہیم کی عزت بڑھا دی تھی۔ وہ اپنے بڑوں کے اس فیصلے پہ اب صحیح معنوں میں خوش اور مطمئن تھی۔ ہنی کی شخصیت سے لے کر اس کی عادات اور مزاج تک سب اس کے سامنے تھا اور اسے اب کسی بات کی کوئی پریشانی نہیں رہی تھی۔

کھانے کے بعد ہائی کنگ کا پروگرام تھا۔ لیکن موسم کے تیور دیکھتے ہوئے سب ہی بڑے انہیں منع کرنے لگے تھے۔ بارش کی آمد بادلوں کے سرمئی ہونے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ ایسے میں اگر وہ لوگ پہاڑوں کا رخ کرتے اور بیچ راستے بارش شروع ہو جاتی تو ان کے لیے ڈھلوان راستوں پہ اترنا مشکل ہو جاتا۔ مگر سیم اور جاشی کسی کی سننے کو تیار نہ تھے۔ **نتیجتاً** "بڑوں کو انہیں اجازت دیتے ہی بنی تھی۔

وہ چاروں، چھوٹی نوریہ کے ساتھ قریبی پہاڑ پہ چڑھائی کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی آدھے راستے بھی نہ پہنچے تھے کہ بونداباندی شروع ہو گئی تھی۔

"میرے خیال میں مسٹر ہنی! بہت ہو گئی ہائی کنگ۔ ہمیں اب واپس چلنا چاہیے۔" حنان نے ایک نظر آسمان پہ ڈالتے ہوئے طنزیہ نظروں سے سیم کی طرف دیکھا تو اس کا لب و لہجہ سیم کی تیوریاں چڑھا گیا۔

"ہاں تو جاؤ۔ کس نے روکا ہے۔" اس نے پلٹ کر حنان کو ناگواری سے دیکھا تھا۔ اس کا جواب حنان کو سلگا گیا تھا۔ اس نے ایک تیز نگاہ سیم کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اور رخ موڑ کر جاشی سے مخاطب ہوا تھا۔

"چلو جاشی اور نوریہ۔"

"بھائی! ہم ہنی بھائی کے ساتھ...." جاشی نے لجاجت سے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ حنان نے اپنا سارا غصہ اس پہ نکال دیا۔

"تم نے سنا نہیں، میں کیا کہہ رہا ہوں۔" اس کی بلند آواز پہ جاشی پہلے سہم کر چپ ہوئی تھی اور پھر مارے شرمندگی کے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ اس نے خفگی سے بھائی کی طرف دیکھا تھا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر تیز قدموں سے نیچے اترنے لگی تھی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" اس بلاوجہ کے رعب نے سیم کا دماغ گھما دیا تھا۔ وہ سرعت سے دو قدم نیچے کو آیا تھا کہ مہر نے سہم کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پلیز ہنی!" اس کی التجا پہ ناچار سیم کو خود کو روکنا پڑا تھا۔ اگر مہر اور نوریہ ساتھ نہ ہوتیں تو آج وہ سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کے اس بد دماغ لڑکے کا مزاج ٹھکانے لگا دیتا۔ لب بھینچے اس نے ایک کڑی نگاہ حنان پہ ڈالی تھی۔ جو چبھتی ہوئی نظروں سے مہر کے ہاتھ میں دبے ہوئے سیم کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

"چلو نوریہ۔" اس نے آگے بڑھ کر نوریہ کا ہاتھ تھاما اور پلٹ کر نیچے اترنے لگا تھا۔ بارش کی بوندوں میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ لیکن سیم کو بھی جیسے ضد سوار ہو گئی تھی۔

"تم نے جانا ہے تو تم بھی چلی جاؤ۔" مہر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ غصے سے بولا تو مہر کا سر خود بہ خود نفی میں ہل گیا۔ سیم ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتا اوپر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اور مہر خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

تقریباً" دس منٹ بعد وہ دونوں پہاڑ کے انتہائی سرے پر پہنچ گئے تھے۔ اس دوران بارش پھوار میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"واؤ! کیا خوب صورت نظارہ ہے۔" چوٹی پہ پہنچ کے نیچے بارش میں بھیگتی وادی کا منظر ایک پل کو انہیں مبہوت کر گیا تھا۔

"دیکھو مہر! وہ سامنے پھیلے باغات کتنے خوب صورت لگ رہے ہیں۔" ہنی جوش سے بولتا اس کے قریب آیا تو مہر کا دل دھڑک اٹھا۔

"جی۔" اس کے ساتھ کھڑے ہوئے مہر کو اس پل وہ بے حد اپنا اپنا سا لگا تھا۔ تب ہی بادل زور سے گرجے تھے۔ دونوں کی نظریں ایک ساتھ آسمان کی جانب اٹھی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔

سیم نے فوراً" سے پیشتر مہر کا ہاتھ تھاما تھا اور بھاگتے ہوئے ایک طرف نصب شیڈ کے نیچے آ کھڑا ہوا تھا لیکن اتنی پھرتی کے باوجود دونوں ٹھیک ٹھاک بھیگ چکے تھے۔ پہاڑ پہ بارش کس بلا کا نام تھا۔ اس کا احساس انہیں اس لمحے اپنی آنکھوں کے آگے تنی پانی کی دبیز چادر کو دیکھ کر ہوا تھا۔ جس کے پار کچھ بھی دیکھنا ناممکن تھا۔ بادلوں کی گھن گرج الگ دل دہلائے دے رہی تھی۔ وہ دونوں ہی بری طرح خوف زدہ ہو گئے تھے۔

"اب ہم کیا کریں گے ہنی؟" مہر روہانسی سی اس کے قریب کھسکی تو سیم نے غیر ارادی طور پہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔ اسے اپنی ضد کے غلط ہونے کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ ساتھ مہر کو بھی مشکل میں پھنسا دیا تھا۔

"پریشان نہ ہو۔ ابھی رک جائے گی۔" ڈوبتے ابھرتے دل کے ساتھ اس نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی۔ تب ہی بجلی کی چمک سے اردگرد کا علاقہ روشن ہو گیا تھا اور اگلے ہی پل بادل اس زور سے گرجے تھے کہ مہر تو جو کانپی سو کانپی تھی۔ سیم کا اپنا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ مہر کے لبوں سے نکلنے والی چیخ بے اختیار تھی۔ وہ سیم کے سینے میں منہ دیے بے اختیار رو پڑی تھی۔

"شش..... اٹس آل رائٹ۔" سیم نے پریشانی سے طوفانی انداز میں برستی بارش کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت کیا کر رہے تھے، کس پوزیشن میں کھڑے تھے۔ ان میں سے کسی کو احساس تک نہ ہوا تھا۔

تقریباً" دس منٹ تک بارش یونہی چھاجوں چھاج برستی رہی تھی اور سیم اسے نرمی سے خود سے لگائے کھڑا رہا تھا۔ دس منٹ کے بعد بارش کا زور کچھ ٹوٹا تو سیم کو بہتری کی امید نظر آئی تھی۔

"میرے خیال میں بارش رکنے والی ہے۔"

"رک بھی گئی تو ہم نیچے کیسے اتریں گے؟" مہر نے خوف زدہ نظروں سے ڈھلان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہمت تو کرنی پڑے گی۔ دعا کرو ہم جب اتر رہے ہوں تب بارش دوبارہ نہ شروع ہو جائے۔" اور مہر نے صدق دل سے اپنے رب کی مدد کو پکارا تھا۔

اس کی دعا قبول ہوئی تھی اور بارش معجزاتی طور پہ مکمل بند ہو گئی تھی۔ سیم نے وقت ضائع کیے بغیر مہر کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور اللہ کا نام لے کر نیچے اترنا شروع کیا۔ وہ پتھروں اور مٹی کو پہلے اپنے جاگرز کی ٹو سے ٹھوک کر دیکھتا تھا اور پھر وہاں پر مہر کو پاؤں رکھنے کے لیے کہتا تھا۔ اس کے باوجود دونوں کتنی ہی بار لڑکھڑائے تھے۔ کتنی ہی بار پھسلے تھے مگر ایک دوسرے کے ساتھ نے انہیں گرنے نہ دیا تھا۔ بالآخر یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا سفر بھی تمام ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بھاگتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی طرف آئے تھے۔ جس کے برآمدے میں سب ہی گھر والے پریشان حال کھڑے تھے۔ زیب اور انجم بیگم کا رو رو کے برا حال ہو چکا تھا۔

ان پہ نظر پڑتے ہی سب بے اختیار دونوں کی طرف بڑھے تھے۔ جی بھر کے پیار کرنے کے بعد سب ہی نے سیم کی اچھی خاصی کلاس لی تھی۔ جو ہنستے ہوئے خندہ پیشانی سے اپنی غلطی قبول کرتا مہر کے دل میں گھر کر گیا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں اس کا محافظ ثابت ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی اپنی بے اختیاری اور اس کا محبت بھرا انداز مہر

کے چہرے پہ رنگ ہی رنگ بکھیر گیا تھا۔ وہ ان لمحوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے حنان کی خود پہ جمی نظروں کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ جو کینہ توز نگاہوں سے اس کے لبوں پہ کھیلتی دھیمی سی مسکراہٹ سے لے کر اس کی پلکوں کے بوجھل پن تک کو نوٹ کر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آنے والے دن چٹکی بجاتے میں تمام ہوئے تھے۔ اور پھر وہ وقت بھی آ گیا تھا۔ جب سیم اپنی روانگی کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اسے فردا"فردا" سب سے ملتا دیکھ کر مہر کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔ وہ آج صبح سے ہی کتنی بار چپکے چپکے آنسو بہا چکی تھی۔ مگر دل تھا کہ کسی طور ٹھہرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"او کے مہر" سب سے مل کر وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو بے اختیار مہر کی نگاہیں اس کے تل پہ جا ٹھہریں۔ لیکن محض لمحہ بھر کو۔ اگلے ہی پل اس کا تل اور چہرہ دونوں دھندلانے لگے تو اس نے تیزی سے نظریں جھکالیں۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو سامنے کھڑے سیم نے چونکتے ہوئے اب کے بغور اس کی طرف دیکھا۔ جس کا چہرہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو رہا تھا۔

"یہ نوبت کیسے آئی؟" حیران نظروں سے مہر کو تکتے ہوئے اس نے پریشانی سے سوچا تھا۔ اسے تو کوشش کے باوجود بھی ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ جب اس نے آس کا کوئی جگنو اس لڑکی کو تھمایا ہو۔ پھر بھلا یہ کیسے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس کا دور جانا مہر کی آنکھوں میں آنسو بھر گیا تھا۔

"پتا ہے ہنی! میں نے اپنے اللہ سے اپنے لیے ایک مخلص اور باکردار شریک سفر کی دعا مانگی تھی اور میں اس کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میری دعا رد نہیں کی۔" اس نے یک لخت اپنی نگاہیں اٹھاتے ہوئے سیم کے چہرے پہ جمادی تھیں اور سیم کا پورا وجود ایک پل کو ساکت ہو گیا تھا۔

"مجھے اپنے اللہ اور اپنے ماں باپ کا فیصلہ دل کی گہرائیوں سے قبول ہے۔ مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے ہنی۔"

وہ آنکھوں میں نمی لیے دھیرے سے مسکرائی تھی۔ اور سیم کے لیے اس سچے موتیوں سے پاکیزہ اظہار کے سامنے رکنا محال ہو گیا تھا۔ وہ پاگل لڑکی اپنے اور اس کے درمیان اللہ کو لے آئی تھی۔ اب بھلا وہ اسے کیا جواب دیتا؟

"تم بھی اپنا خیال رکھنا۔" اس عجیب سے احساس سے دامن چھڑاتے ہوئے اس نے گھبرا کے الوداعی کلمات ادا کیے تھے اور اس کے معصوم چہرے سے نظریں ہٹاتا پلٹ کر تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"اللہ کی امان میں۔" اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی مہر کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔

☆ ☆ ☆

رات دھیرے دھیرے اپنا زرتار آنچل پھیلا رہی تھی۔ سب گھر والے لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھتے ہوئے باتوں میں مشغول تھے۔ لیکن مہر کے اداس دل کو یہ آوازیں، یہ شور ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھی تھی اور داخلی دروازہ کھول کے باہر لان میں آ بیٹھی تھی۔ ہنی کا خیال اس کی ذات سے جیسے لپٹ سا گیا تھا۔ وہ کیسے اتنی جلدی اس کے دل و دماغ پہ قابض ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھ نہ پائی تھی۔ یا پھر یہ اس رشتے کا اعجاز تھا جس کے تناظر میں اس نے تموز ابراہیم کو دیکھا تھا۔ یا یہ اس کی بھرپور شخصیت کا کمال تھا جو آئی اور اس کے دل پہ چھاتی چلی گئی تھی۔ جو بھی تھا وہ گرفتار محبت ہو گئی تھی۔ اور اب یہ محبت اسے بری طرح ستا رہی تھی اداس کر رہی تھی۔ وہ جب تک انجان تھی مکمل طور پہ پرسکون تھی۔ لیکن اب تو جیسے جان کو نیا روگ لگ گیا تھا۔ وہ کیسے اس ماہ و سال پہ پھیلنے والی دوری کو برداشت کرنے والی تھی ہم اس کی

سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
"یہ مراقبہ ہے یا ڈیئر کزن کے جانے کا سوگ۔ مہر احمد؟" حنان، جو ابھی ابھی گھر لوٹا تھا۔ اسے لان میں تنہا بیٹھا دیکھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔ لیکن مہر اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ اسے حنان کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوا تھا اور اس چیز نے نا چاہتے ہوئے بھی حنان کو پتنگے لگا دیے تھے۔ وہ خود کو طنز کرنے سے روک نہ سکا تھا۔
اس کی آواز پہ مہر بے اختیار چونکی تھی اور پھر دھیرے سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔
"ایک بات تو بتاؤ۔ اس دن پہاڑ پہ کون سا گل کھلایا تھا جو..." معنی خیزی سے کہتا وہ دھیرے سے مسکرا کر بات ادھوری چھوڑ گیا تو مہر کی آنکھیں مارے بے یقینی کے پتھرا سی گئیں۔
"سنی بھائی!" دکھ کی شدت سے وہ بس یہی کہہ پائی تھی۔
"واہ! میں سنی بھائی اور وہ صرف ہنی۔ عجیب بات ہے نا؟" کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو مہر کی ہمت جواب دے گئی۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کبھی ایسی بات بھی کر سکتے ہیں۔" شاکڈ سی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "آپ نے ساری زندگی مجھ سے سوتیلوں والا سلوک کیا۔ کبھی مجھے قبول نہیں کیا مگر میں نے اف تک نہیں کی۔ لیکن آپ میرے دامن پہ یوں کیچڑ اچھالیں گے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا!" بات کرتے کرتے اس کی آواز بھر آئی تھی۔
"یہ آنسو وہاں بہانا جہاں ان سے تم جیسوں کا کام نکل سکتا ہو۔ میں تمہاری اوقات سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتا وہ بنا کسی لحاظ کے بولا تو مہر کا دل مارے غم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ "پتا نہیں کون سا دن تھا جو تم اور تمہاری ماں میرے باپ کے سر منڈھی گئی تھیں۔"
"سنی بھائی!" مہر کے لیے مزید برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچے بے اختیار چلا اٹھی تھی۔
"آواز نیچی کرو!" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا تھا۔
"اور میرے سامنے اپنی معصومیت کا یہ ڈھونگ اب کبھی مت رچانا۔" انگلی اٹھائے وہ اسے وارننگ دیتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا اور پیچھے مہر کرسی پہ گر کر پھوٹ پھوٹ کے روتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نیویارک ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی آزادی کا بڑا گہرا اور پُر کیف احساس تھا جس نے سیم کو سراپا اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ چودہ دنوں کی تھکن چند ہی لمحوں میں ہوا ہو گئی تھی۔ وہ پاکستان اور اس سے جڑا ہر بندھا پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب آنے والے کئی سالوں کے لیے آزاد تھا۔
"یاہو! آئی ایم فری!" گھر پہنچتے ہی اس نے آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا تحفوں سے بھرا بیگ دور اچھال دیا تھا۔
اگلی صبح مہر کے لیے جتنی بوجھل تھی۔ حنان کے لیے اتنی ہی خوشگوار ثابت ہوئی تھی۔ اس کا ایڈمیشن لندن یونیورسٹی میں کنفرم ہو گیا تھا۔ اس خوش خبری نے پورے گھر میں ہلچل مچا دی تھی۔ اتنی شان دار کامیابی پر حنان کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔
نیویارک پہنچ کر صرف ایک دن کا وقفہ بیچ میں آیا تھا اور اس کے اگلے دن سیم اپنی باسکٹ بال ٹیم کے ساتھ آل اسٹیٹس ٹور کی پہلی منزل کیلی فورنیا کی طرف فلائی کر گیا تھا جہاں کے ساحل سمندر، سرخ درختوں کے جنگل، لاس اینجلس کے وسط میں واقع ہالی وڈ اور ڈیتھ ویلی سمیت بہت سی جگہوں نے اسے مسحور کر دیا تھا۔ وہ سچ میں جیسے اپنے خوابوں کے سفر پہ نکل کھڑا ہوا تھا۔ جہاں صرف وہ تھا اور اس کی آزادی۔
ایسے میں انٹر اسٹیٹس ٹورنامنٹ کھیلتے ہوئے اس کی ملاقات بہت سی حسیناؤں سے ہوئی تھی۔ لیکن کیٹ کے جادوئی حسن نے اس پہ گویا سحر طاری کر دیا تھا۔ وہ بلا کی حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی بولڈ بھی تھی اور سیم اس کے سامنے دم مارنے کی جرات بھی نہ کر پایا

تھا۔ دو دن محض دو دن اور وہ سیم کی پوری ٹیم سے اتنی فری ہو گئی تھی کہ تنہا سب لڑکوں کے ساتھ اتوار کی چھٹی گزارنے ساحل سمندر پہ چلی آئی تھی۔ جہاں ایک بھرپور اور سنسنی خیز دن گزارنے کے بعد وہ واپسی کے وقت ایک بار پھر سیم کے بازو سے لٹک گئی تھی۔

"اب کہاں جاؤ گے تم لوگ؟" اس نے اپنی نیلگوں آنکھیں سیم کے چہرے پہ جماتے ہوئے پوچھا تو سیم کے لیے اپنے ذہن کو حاضر رکھنا دشوار ہو گیا۔

"آ۔۔۔ تمہیں ڈراپ کر کے واپس ہوٹل جائیں گے۔" اس نے بامشکل تمام ان نیلی آنکھوں سے نظریں ہٹائی تھیں۔

"اور اگر میں کہوں کہ تم بھی میرے ساتھ ہی ڈراپ ہو جاؤ تو؟" وہ ایک دم اس کی جانب کھسک آئی تو سیم اپنی پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ہر طرح کی حدود شکنی کے باوجود اس نے یہ آخری حد تاحال پار نہیں کی تھی۔

"تم وعدہ کرو کہ تم خود کو بچانے کی صرف کوشش نہیں بلکہ بھرپور کوشش کرو گے!" اس کے کانوں میں اس کے بابا کی آواز گونجی تو اس نے اپنے خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیری۔ بڑی ہی کڑی آزمائش تھی جس نے اسے آن گھیرا تھا۔

"میرے خیال میں کیٹ یہ اچھا آئیڈیا نہیں۔۔۔۔"

"پلیز۔" اس کے گلے میں اپنی نازک بانہیں ڈالتے ہوئے وہ درمیان میں موجود تھوڑا سا فاصلہ بھی ختم کر گئی تو سیم کی سانس اس کے سینے میں اٹک گئی۔

"جس دن اپنی آرزوؤں، اپنی خواہشات کے پیالے کو توڑ دو گے، اس دن زندگی تم پر حقیقت کے دروازے کھول دے گی۔" اس کے باپ کی آواز ایک بار پھر اس کے آس پاس گونجی تھی۔ تب ہی کیٹ نے اسے اپنی جانب جھٹکا دیا تھا۔ اور سیم کے لیے اس کے سرخ لبوں سے نظریں ہٹانا ناممکن ہو گیا تھا۔

"اس رنگین پیالے کو توڑنا کہاں ممکن ہے بابا۔" بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

برائی کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم سب سے بھاری ہوتا ہے۔ لیکن ایک بار جب یہ قدم اٹھ جاتا ہے۔ تو آگے کا راستہ بالکل سہل ہو جاتا ہے اور یہی سیم کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

اسے پاکیزگی اور شرم کی اس آخری حد کو پار کرنے میں صرف پہلی بار جھجک محسوس ہوئی تھی اور اس کے بعد جیسے سب کچھ آسان ہوتا چلا گیا تھا۔ کیلی فورنیا میں ان کا قیام مزید تین دن رہا تھا اور ان تین دنوں میں اس کی ہر رات کیٹ کے سنگ گزری تھی۔ وہ ماں باپ، دوست احباب سب بھول گیا تھا۔ یاد رہی تھی تو صرف عورت، جس کا نشہ سر چڑھ کے بولتا ہے۔ جلد ہی وہ اپنی ٹیم کے ساتھ اگلی منزل کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔

پاکستان سے آئے اسے ہفتہ ہونے کو تھا۔ مگر اس نے ایک بار بھی پلٹ کر فون نہیں کیا تھا اور اس چیز نے انجم بیگم کو دل گرفتہ کرنے کے ساتھ ساتھ سب کے سامنے عجیب سی شرمندگی سے بھی دوچار کر دیا تھا۔ وہ اس قدر رنجیدہ ہوئی تھیں کہ انہوں نے ابراہیم ملک کو بھی سختی سے اس سے رابطہ کرنے سے منع کر دیا تھا اور تب ٹھیک نویں دن انہیں سیم کی کال موصول ہوئی تھی۔

"خوامخواہ تم نے زحمت کی۔ ہم چھ، سات دنوں میں آنے والے تو تھے ہی۔" اس کی کھنکتی آواز انجم بیگم کا دل مزید بوجھل کر گئی تھی۔

"مجھے معلوم تھا۔ آپ مجھ سے ناراض ہوں گی۔ مگر کیا کرتا مام! ٹائم ہی نہیں ملا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"صحیح کہا بیٹا۔ ہمارے لیے تو واقعی اب تمہارے پاس ٹائم ہی نہیں رہا۔"

"پلیز مام! بس بھی کریں۔ میں نے اتنی دور سے آپ سے بات کرنے کے لیے فون کیا ہے اور آپ ہیں کہ موڈ آف کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔" اس کی بے زار آواز پہ انجم نے ایک گہری سانس لی۔

"اور سناؤ' سب ٹھیک ہے وہاں؟ کیسے جا رہے ہیں تمہارے میچز؟" وہ ماں تھیں سو انہوں نے ہی ہتھیار ڈالنے تھے۔

"فرسٹ کلاس۔ آپ کو پتا ہے ہم نے ابھی تک اپنا ایک بھی میچ نہیں ہارا۔" وہ مسکرا کر بولا تو انجم اس سے رہائش اور کھانے پینے کی تفصیلات پوچھنے لگیں۔

"اچھا۔ اب میں فون زیبی کو لے جا کر دے رہی ہوں۔ وہ روز تمہارا پوچھتی ہے۔" چند لمحے مزید بات کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں تو دوسری طرف موجود سیم یک لخت جھنجلا گیا۔

"پلیز مام! ابھی نہیں۔ ابھی مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔"

"اچھا! ایک لمحہ پہلے تک تو تمہیں کوئی نیند نہیں آ رہی تھی۔" ان کی تیوری پہ بل پڑ گئے۔

"تب بھی آ رہی تھی لیکن آپ سے..."

"اسٹاپ اٹ ہنی! اب تم میرے صبر کو آزما رہے ہو۔" دوسری طرف سے انجم بیگم نے غصے سے اس کی بات کاٹی تو وہ مارے باندھے خاموش ہو گیا۔ اس کی بے چین نگاہیں بے اختیار باتھ روم کے بند دروازے سے ٹکرا کر واپس لوٹ آئیں۔ جس کے دوسری طرف اس کی نئی دوست روز تھی۔

روز سے اس کی ملاقات کیلی فورنیا سے مشی گن جانے والی فلائٹ کے دوران ہوئی تھی۔ روز ایک کلب میں ڈانسر تھی اور اس وقت سیم کو بالکل حیرت نہ ہوئی تھی۔ جب اس نے ایرپورٹ پہ اترنے سے پہلے سیم کو اپنا کارڈ دیا تھا۔ آج سیم نے اسی کارڈ پہ درج نمبر پر کال کر کے اسے آنے کے لیے کہا تھا۔ اور وہ بخوشی اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا جلدی کریں۔" اس کے لہجے کی تلخی کو حوصلے سے نظر انداز کرتے ہوئے انجم نے فون لے جا کر زیب کو تھما دیا تھا اور خود مہر کو لینے اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"آجاؤ بیٹا! ہنی کا فون آیا ہے۔" اور مہر کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھ کر ننگے پاؤں ہی ان کے ساتھ چل پڑی تھی۔

"اچھا۔ یہ مہو سے بات کرو۔" انجم کے اشارے پہ زیب نے فون مہر کے ٹھنڈے پڑتے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

"ہیلو۔" اس کی پھنسی ہوئی آواز نے دونوں خواتین کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا جبکہ دوسری طرف سیم کی بھنویں تن گئی تھیں۔ وہ نروس تھی۔ اس احساس نے نجانے کیوں اسے سلگا دیا تھا۔

"آواز کیوں بند ہو گئی ہے تمہاری؟" وہ جل کر بولا تھا۔ لیکن مہر اپنی گھبراہٹ میں اس کے لہجے پر غور نہ کر پائی تھی۔

"نہیں۔ بس یونہی... آپ سنائیں کیسے ہیں؟" ایک پل کی جھجک کے بعد اس نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟" تب ہی باتھ روم کا دروازہ اچانک کھلا تھا اور سیم کی آنکھیں ریڈ نائٹی میں' بھیگی زلفیں موی شانوں پر پھیلائے باہر آتی روز پر جم کے رہ گئی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ آپ کا ٹور کیسا جا رہا ہے؟" وہ نرمی سے گویا ہوئی تھی۔ مگر وہم سادھے سیم کی بے خود نظریں اپنی جانب بڑھتی' اس مہکتی ہوئی قیامت پہ گڑی تھیں۔ جوابں کی محویت دیکھ کے بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

"ہیلو۔" کوئی جواب نہ پا کر مہر نے بے اختیار پکارا تھا۔ تب ہی روز چلتی ہوئی بیڈ پہ اس کے بے حد نزدیک آ بیٹھی تھی۔ سیم کی آنکھیں اس کی آنکھوں سے جیسے بندھ سی گئی تھیں۔

"ہیلو۔" مہر کی آواز ایک بار پھر ابھری تھی۔ لیکن سیم نے نگاہوں کے اس طلسم کو توڑے بنا کال کاٹ کر فون دور اچھال دیا تھا۔

"ٹو ہیل ود یو!" (بھاڑ میں جاؤ تم!) منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر روز کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا۔

"میرے خیال میں لائن کٹ گئی شاید۔" فون بند

کرتے ہوئے مہر کے دل پہ اوس سی آگری تھی۔
"کوئی بات نہیں۔ پھر ملالیں گے۔" انجم اسے خود سے لگائے مسکرا دی تھیں۔ لیکن پھر ملانے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ انجم اور ابراہیم صاحب مزید چھ روز ہی رہے تھے کہ ان کی واپسی کا دن آ گیا تھا۔ اس دوران سیم نے فقط ایک بار ہی کال کی تھی اور وہ بھی انتہائی مختصر دورانیے کی۔ بقول اس کے وہ اپنے میچز اور پریکٹس سیشنز میں سخت مصروف تھا۔ اس کی مصروفیت کا سن کر ابراہیم صاحب نے بھی اسے ڈسٹرب کرنے سے منع کر دیا تھا۔ یوں وہ دونوں ایک ماہ پاکستان میں گزار کر واپس روانہ ہو گئے تھے۔
آنے والا مزید ایک ماہ پر لگا کے اڑا تھا اور بالآخر ایک دن حسان قاضی بھی دو ڈھائی سالوں کے لیے' لندن روانہ ہو گیا تھا۔
اس کی روانگی کے بعد ایک ان دیکھا بوجھ تھا۔ جو مہر کو اپنے شانوں سے سرکتا محسوس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

سیم نے Yalc یونیورسٹی میں اسکول آف مینجمنٹ میں داخلے کے لیے اپلائی کیا تھا اور خوش قسمتی سے وہ وہاں کا ٹیسٹ اور انٹرویو دونوں کلیئر کر گیا تھا۔ Yalc میں پڑھنا سیم کا خواب تھا اور وہ اپنے اس خواب کو حقیقت میں ڈھال کر خود پہ مزید نازاں ہو گیا تھا۔ اسے اپنے روشن مستقبل کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نظر نہ آ رہی تھی۔ زندگی نے اس کی آرزوؤں میں سے ایک اور آرزو پوری کر دی تھی۔ سو وہ خوش تھا۔ بے حد خوش!
اس کی اس شاندار کامیابی پہ سب ہی پھولے نہ سما رہے تھے۔ یوں تموز ابراہیم' اپنی زندگی کا ایک اور باب شروع کرنے نیو ہیون سٹی چلا آیا تھا۔ جہاں اس کی ملاقات اپنی زندگی میں آنے والے دو اہم ترین لوگوں سے ہوئی تھی۔ ایک وہ جو اس کا بہترین دوست تھا اور دوسری وہ۔ جس کے عشق میں وہ گرفتار ہونے والا تھا۔

☼ ☼ ☼
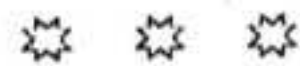
سوزی جیفریسن' اس کے علاوہ دو اور اسٹوڈنٹس مارک اور ہیری' کو آف دا کیمپس (کیمپس سے باہر) ملنے والے رہائشی اپارٹمنٹ کو شیئر کرنے والی چوتھی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ بہت خوب صورت نہ سہی لیکن اچھی خاصی پیاری لڑکی تھی۔ مگر اس کی ذات کا سب سے عجیب پہلو اس کی بدمزاجی تھا۔
اس نے پہلے ہی دن تینوں لڑکوں کو واشگاف الفاظ میں باور کروا دیا تھا کہ وہ اپنی حد میں رہتے ہوئے اس سے تعلق' واسطہ تو دور بات چیت کرنے کی بھی زحمت نہ کریں۔
اس کے ان فرمودات کو سیم نے بڑی دلچسپی سے سنتے ہوئے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ اس کی ان حد بندیوں نے نا چاہتے ہوئے بھی لڑکوں کو اس کی جانب متوجہ کر دیا تھا۔ وہ یہ پابندیاں لگاتے ہوئے شاید یہ بات بھول گئی تھی کہ تجسس کی یہ فطرت ہے کہ جس چیز سے اسے روکا جائے' وہ اتنا ہی اس کی طرف کھنچتا ہے۔ جبکہ اس کے معاملے میں تو کشش کا ایک بڑا پہلو یہ بھی تھا کہ وہ لڑکی تھی اور وہ تینوں لڑکے جو آپس میں بہت جلدی گھل مل گئے تھے اور وہ ان سب میں چین کے قدیم (Forbidden City) کی طرح بن گئی تھی۔ جس کی شاہی چار دیواری کے اندر کسی عام انسان کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔
یوں وہ چاروں افراد جب بھی گھر میں ہوتے' اس کی ہر حرکت لڑکوں کی شوخ نظر میں ہوتی۔ جو اسے دیکھ کر' موقع ملنے پر کھسر پھسر کرنے اور بلند و بانگ قہقہے لگانے سے نہیں چوکتے تھے۔ اس کے کھانے سے لے کر برتن تک ہر چیز علیحدہ تھی۔ ٹی وی لیونگ روم وہ کچھ بھی ان کے ساتھ شیئر نہیں کرتی تھی۔ اس گھر میں اس کی دنیا اس کے کمرے تک محدود تھی' جس سے وہ صرف اپنے کام نپٹانے کے لیے باہر آتی تھی۔ اور اتنی ہی دیر لڑکوں کی معنی خیز نظروں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی ہوتی تھی۔
لیکن جوں جوں وقت ہفتوں سے مہینوں میں داخل ہونے لگا تھا۔ ان تینوں کے تجسس کی جگہ حیرت نے

لے لی تھی۔ انہیں اس کی ثابت قدمی بلکہ ہٹ دھرمی پر از حد حیرت ہوتی تھی۔ جو دو ماہ میں اپنی کہی کسی بھی بات سے ایک انچ نہ سرکی تھی اور اس چیز نے ان تینوں کے درمیان اس کے موضوع کو ایک ڈسکشن میں تبدیل کر دیا تھا۔

"یار! مجھے لگتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر بیمار لڑکی ہے جب ہی تو ایسی ڈل اور بورنگ زندگی گزار رہی ہے۔" ہیری نے بیئر کا گھونٹ بھرتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"خیر ڈل اور بورنگ زندگی تو نہیں گزار رہی.... یونیورسٹی میں اچھی خاصی فرینڈز ہیں اس کی۔ پارٹیز میں بھی جاتی ہے۔ ہاں لیکن ایک بات میں نے نوٹ کی ہے۔ اس کی ساری فرینڈز لڑکیاں ہیں۔ کوئی لڑکا دور تک نہیں۔" صوفے پہ نیم دراز سیم نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"ہوں.... اس کا مطلب ہے 'اس کا یہ خاص الخاص بیر صرف لڑکیوں سے ہے۔" مارک کے پر سوچ لہجے پہ سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بالکل۔"

"بس تو پھر صاف ظاہر ہے۔ دل توڑ دیا ہے بے چاری کا اس کے بوائے فرینڈ نے۔" مارک نے نتیجہ اخذ کر کے ان دونوں کے سامنے رکھا۔

"اور وہ بھی بہت بری طرح سے۔" ہیری نے لقمہ دیا۔

"ہو سکتا ہے۔" سیم کی خیال آرائی پہ مارک نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو تم مرہم کیوں نہیں رکھ دیتے سیم۔" اور وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"آئیڈیا اچھا اور دلچسپ ہے لیکن، لیکن ایسا ہے کہ مجھے اپنے یہ خوب صورت بال بہت عزیز ہیں۔" اس کی بات نے دونوں لڑکوں کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا۔

"قسم سے یار! اگر میرے پاس تمہارے گڈ لکس اور جادوئی پرسنالٹی کا نصف بھی ہوتا نا تو میں اس محاذ پہ ایک بار تو ضرور ٹرائی کرتا۔" مارک نے رشک بھری مسکراہٹ لیے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے اکسانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ کام نہیں کرنے والا۔" سیم نے مسکراتے ہوئے مارک کو جھنڈی دکھا دی تھی۔

☆ ☆ ☆

وقت تھوڑا آگے سرکا تھا۔ سیم جب سے نیو ہیون گیا تھا۔ انجم بیگم کی ڈانٹ ڈپٹ، منت، سماجت اور ایسے ہی دیگر نرم گرم حربوں کے نتیجے میں اس نے فقط دو، تین بار ہی زیب کو فون کیا تھا اور اس دو، تین بار میں ایک ہی موقع ایسا تھا جب اس کی مہر سے بات ہوئی تھی اور خلاف عادت اس نے مہر سے خاصے نارمل انداز میں بات کر لی تھی۔ جو مہر جیسی معصوم اور محبت میں ڈوبی لڑکی کے لیے بہت تھا۔ اس کی نظروں میں نمروز کا جو ایک سمجھ دار اور شریف قسم کا امیج بنا ہوا تھا، اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے کبھی بھی اس سے لگاوٹ بھری باتوں کی توقع نہیں کی تھی اور جب کوئی توقع ہی نہیں تھی تو اسے اس کی گفتگو میں ان باتوں کی کمی بھی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی قسمت میں لکھ دیے گئے تھے اور یہ ایک اٹل حقیقت تھی اور مہر کے اطمینان قلب کو یہ حقیقت ہی کافی تھی۔

سیم جس وقت گھر پہنچا، شام کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ آج اپنی روٹین سے خاصا لیٹ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے زوروں کی بھوک لگی تھی۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے وہ تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھا۔ جہاں فریج میں رکھی، رات بننے والی ہیری کے ہاتھ کی مزیدار چکن کا تصور ہی اس کے منہ میں پانی بھر لایا تھا۔ لیکن جب اس نے فریج کھول کر اندر جھانکا تھا۔ چکن کا مکمل صفایا ہو چکا تھا۔

"کمینے' بد ذات!" دانت پیستے ہوئے وہ دروازہ مارتا کچن سے باہر نکلا تھا۔

"ہیری! مکی!" کمر پر ہاتھ رکھے اس نے بہ آواز بلند دونوں کو پکارا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ پا کے وہ تیز

قدموں سے اپنے مشترکہ کمرے کی طرف چلا آیا تھا' جو خالی پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔
"پتا نہیں کہاں دفعان ہو گئے ہیں دونوں۔" اس نے اپنے دل کی بھڑاس بے اختیار اردو میں نکالی تھی۔
چند لمحے سوچنے کے بعد وہ ایک بار پھر کچن میں چلا آیا تھا۔ جہاں خالی پڑے چولہے کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر فریج کھول کے کھڑا ہو گیا تھا۔
"انڈے' بریڈ' دودھ.... اف نہیں کھانے یار!"
کوفت سے منہ بناتے اس نے آخری شیلف پہ نگاہ ڈالی تھی۔ جو سوزی کی چیزوں کے لیے مخصوص تھی۔ اور وہاں رکھا شیشے کا ایک ڈھکا ہوا پیالہ دیکھ کر وہ رہ نہیں سکا تھا۔ ایک لمحے کے تذبذب کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کے پیالہ نکال لیا تھا اور جوں ہی ڈھکن اٹھا کر اندر دیکھا' اس کا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ نہایت خوش رنگ اور خوش نما قسم کے میکرونیز' سبزیاں اور چکن ڈال کے پکائی گئی تھیں۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' جھٹ پیالہ اٹھا کے مائیکرو ویو میں رکھ دیا تھا اور بزر بجنے پر انہیں لیے لیونگ روم میں آبیٹھا تھا۔
"ہم م م.... مزے دار ہیں بھئی۔" پہلا چمچ منہ میں رکھتے ہی اسے ان کے خوش ذائقہ ہونے کا احساس ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار اگلا چمچ اٹھایا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ ریموٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ وہ رغبت سے کھا رہا تھا اور سامنے ٹی وی پر اپنے پسندیدہ ایکٹر کی فلم بھی دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں مزیدار کاموں میں وہ اتنا مگن تھا کہ کب سوزی اپنے کمرے سے نکلی اور کب اس کی پشت سے گزر کر کچن میں جا پہنچی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو جب وہاں پھیلی میکرونیز کی خوشبو نے اسے چونکایا تو اس نے بے اختیار فریج کھول کے اندر جھانکا۔ اور وہاں سے اپنا پیالہ غائب پا کے اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے کچن سے نکل کر سیم کو گھورا جو ٹی وی دیکھتے ہوئے کچھ کھا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی اور سیم کے ہاتھ میں اپنا خالی ہوتا پیالہ دیکھ کے اس کی بھنویں تن گئیں۔

"ایکسکیوزمی مسٹر!" اس کی اچانک پکار پہ سیم نے چونکتے ہوئے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور سوزی کو دیکھ کر وہ بری طرح شرمندہ ہو گیا۔ مگر صرف ایک لمحے کے لیے۔ اگلے ہی پل اس نے سرعت سے خود کو سنبھال لیا۔
"کھانا ہی تو تھا' کوئی ہیرے موتی تو نہیں تھے۔"... دل میں سوچتے ہوئے اس نے پر سکون انداز میں پیشانی پہ بل لیے کھڑی سوزی کی طرف دیکھا۔
"یہ کیا حرکت ہے؟" اس نے انگلی سے سیم کے ہاتھ میں پکڑے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔
"آئی ایم سوری۔ مجھے بہت بھوک لگی تھی اور گھر میں کھانے کو کچھ بھی خاص نہیں تھا۔ اس لیے جب مجھے یہ نظر آئے تو...." وہ اس کے چہرے کے سخت تاثرات دیکھ کے بے اختیار خاموش ہو گیا۔ تب ہی اس کی ناراضی اور اپنی حرکت کا اثر زائل کرنے کا ایک مناسب طریقہ اسے سوجھ گیا۔ "تم آج کا ڈنر ہماری طرف سے کر لینا۔" مگر وہ اس کی بات ان سنی کیے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالتی' پلٹ کر تیز قدموں سے کچن میں جا گھسی۔
اس کے جانے کے بعد سیم نے رخ موڑتے ہوئے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے پیالے پہ ڈالی۔ سوزی کے رد عمل نے اس کی باقی ماندہ بھوک محض چند ہی لمحوں میں اڑا دی تھی۔ اس نے مزید ایک بھی لقمہ لیے بغیر پیالہ ہاتھ بڑھا کے سامنے پڑی میز پہ رکھ دیا تھا۔ تب ہی کچن سے برتن پٹخنے اور کیبنٹ کے دروازے زور زور سے کھولنے اور بند کرنے کی آواز آئی تھی۔ اور سیم نے مارے شرمندگی کے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا تھا۔
"کیا ضرورت تھی بھلا اسے اس لڑکی کی چیز کو ہاتھ لگانے کی؟" خود کو ڈپٹتے ہوئے اس نے کچن سے آتی اٹھا پٹخ کی آوازوں کو تحمل سے برداشت کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب مزید حوصلے سے کام نہیں لے سکا۔ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کے دروازے میں آکھڑا ہوا۔ جہاں اس کے اندازے کے عین مطابق وہ

اندر کچھ پکانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"آئی ایم سوری سوزی۔ تم پلیز' یہ سب مت کرو اور آج کا ڈنر۔۔۔"

"اپنے مشورے اپنے پاس رکھو' سمجھے!" اس نے پلٹ کر تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹی تو اس درجہ بدتمیزی پر سیم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" اس نے غصے سے سامنے کھڑی بدتمیز لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے جتنا انسانیت سے پیش آنے کی کوشش کر رہا تھا' وہ اتنا ہی سر پہ چڑھتی جا رہی تھی۔

"تم جیسوں سے بات کرنے کا یہی طریقہ ہے میرا۔" وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے تڑخ کر بولی تو سیم کا دماغ گھوم گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا تم جیسے۔۔۔ ہاں؟" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ "شکر کرو محترمہ! کہ مجھ جیسا' تم جیسی سے بات بھی کر رہا ہے۔ ورنہ تم جیسی سائیکو لڑکی کو تو کوئی ایک منٹ بھی برداشت نہ کرے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر دیے تھے۔ لیکن سوزی اس کے اشتعال کو خاطر میں لائے بغیر استہزائیہ انداز میں مسکرا دی تھی۔

"ہونہہ! تم جیسوں سے ایک ہی جواب کی امید ہے مجھے۔" کاٹ دار نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالتی وہ سلیب پہ رکھے گوشت کی طرف متوجہ ہونے کو تھی جب اس کا بازو سیم کی مضبوط گرفت میں آگیا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو!" ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے وہ اس زور سے دھاڑا کہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً "سہم جاتی۔ لیکن مقابل بھی سوزی تھی۔ جس پہ اس کی بلند آواز نے الٹا اثر دکھایا تھا۔

"نہیں کرتی ہاں؟ کیا کر لو گے تم؟" اس نے دوسرے ہاتھ سے سیم کو پیچھے دھکیلا تھا اور تب اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس نے غراتے ہوئے اس کا دوسرا ہاتھ جکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے پیچھے کیبنٹ سے لگا دیا تھا۔

"اب تمہیں بتاتا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں میں؟" دانت پیستے ہوئے اس نے اس کی کلائیوں پہ زور بڑھایا تو سوزی کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔

"آہ! چھوڑو مجھے! پلیز رکی! چھوڑو مجھے!" اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں چلائی تو غصے سے بھڑکتا ہوا سیم یک لخت ساکت ہو گیا۔ عین اسی لمحے سوزی کو بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا مچلتا وجود بھی تھم گیا تھا۔

اس کی آنسوؤں بھری آنکھیں سیم کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور سیم کی گرفت اس کی کلائیوں پر خود بہ خود ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

"میں رکی نہیں' سیم ہوں۔ اور اسی لیے تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔" اسے مضبوط لہجے میں باور کرواتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اس کی کلائیاں چھوڑ کے پیچھے ہٹا تو سوزی بت بنی اسے دیکھے چلی گئی۔

"مجھے نہیں پتا کہ تم اپنی زندگی میں کن حالات سے گزری ہو۔ لیکن میں صرف اتنا کہوں گا کہ کسی ایک برے شخص کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچانے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔"

اس پر نظریں جمائے وہ سپاٹ لہجے میں اپنی بات مکمل کرتا' پلٹ کر کچن اور پھر اپارٹمنٹ سے ہی باہر نکل گیا تھا۔ اور پیچھے تنہا کھڑی سوزی بے اختیار رو پڑی تھی۔

سیم کے رویے اور باتوں نے سوزی کو گہری ندامت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسے واقعی کوئی حق نہ تھا کہ وہ اپنے تلخ تجربے کو بنیاد بنا کر دوسروں کے ساتھ برے طریقے سے پیش آتی۔ کل شام جو کچھ ہوا تھا' اس نے سوزی کو اس کے رویے کی بدصورتی کا احساس دلایا تھا۔

وہ سیم سے اپنی بدتمیزی کی معافی مانگنے کے لیے بری

طرح بے چین تھی۔ مگر مارک اور ہیری کے سامنے اس میں سیم کے پاس جانے کی ہمت نہ تھی اور تنہائی انہیں میسر آکے نہیں دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ دو دن گزر گئے تھے اور اس کی بے چینی ایک بوجھ میں بدل گئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ تیسرا دن چڑھتا' وہ رات میں اپنے لیے کافی بنا رہی تھی جب مارک اور ہیری بکتے جھکتے ختم ہو جانے والی بیئر خریدنے باہر نکلے تھے۔

ان کی بحث پہ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور جونہی انہوں نے گھر سے باہر قدم رکھا تھا۔ اس نے جھٹ کافی میکر میں پانی بڑھا دیا تھا۔ کافی کے گرما گرم دو مگ تیار کر کے وہ ــ جھجکتے ہوئے کچن کے دروازے تک آئی تھی۔

سیم لیونگ روم میں ٹی وی کے آگے صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر سوزی کے دل کی دھڑکن پل بھر کو تیز ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے گہری سانس لیتے ہوئے اپنی گرتی ہوئی ہمت بحال کی تھی اور دونوں ہاتھوں میں مگ لیے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی سینٹر ٹیبل کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یوں اچانک سامنے آتا دیکھ کے سیم کی نگاہیں میکانکی انداز میں سکرین سے ہٹ کر سوزی پہ آٹھہری تھیں۔ جو جھک کر ہاتھ میں پکڑے مگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی سیم کی آنکھوں میں حیرت پھیل گئی تھی۔

"میں تمہارے لیے کافی بنا کر لائی ہوں۔" سیدھی ہوتے ہوئے اس نے سیم کی آنکھوں میں دیکھا۔ تو اس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری ہو گیا۔

"کس لیے؟" اس کے سپاٹ لہجے پہ سوزی پل بھر کو جھجکی پھر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"اس لیے کہ تم رکی نہیں ہو۔" پھر اپنا دایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ نموز ابراہیم اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو حیران نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

اور پھر آنے والے دنوں میں سوزی کے ساتھ ان کی دوستی بہت تیزی سے پروان چڑھی تھی۔

لیکن سیم کے ساتھ اس کا رشتہ صرف دوستی تک محدود نہیں رہا تھا۔ وہ سیم کو پسند کرنے لگی تھی اور اپنی اس پسندیدگی کا اظہار اس نے برملا سب کے سامنے سیم سے کیا تھا۔ وہ فطرتاً "ایک بے جھجک لڑکی تھی جو اپنی جون میں آتے ہی اپنی عادات پر بھی لوٹ آئی تھی۔ اس کی بے باکی سے سیم نے خاصا حظ اٹھایا تھا۔ لیکن بات صرف وہیں تک محدود نہیں رہی تھی۔ اس کی دن رات کی وارفتگی آخر کار رنگ لائی تھی۔ اور سیم' سوزی جیفرسین کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن اور رات ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے آگے بڑھے تھے اور پلک جھپکتے میں سوا دو سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس دوران حنان کے ایک بار بھی پاکستان آنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور وجہ صغیر صاحب تھے۔ جنہوں نے اس عرصے میں لندن کے تین چار چکر لگا لیے تھے۔ یوں حنان اپنی چھٹیوں میں کبھی یورپ گھومنے اور کبھی کوئی کورس کرنے نکل کھڑا ہوتا تھا۔ اور اب اس کی واپسی میں فقط دو سے تین ماہ کا عرصہ رہ گیا تھا۔ وقت نے سب ہی پہ اپنے نقش چھوڑے تھے۔ ہر کوئی ذہنی اور جذباتی اعتبار سے ایک قدم آگے آیا تھا۔ اور ایسے میں مہر کو ہنی کی ذات سے متعلق اپنے بہت سے گمان غلط ثابت ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

دو ڈھائی سال قبل وہ اس کے جس رویے کو اس کی بردباری مشروط کیا کرتی تھی آج اس میں اسے ہنی کے گریز اور لاتعلقی کے رنگ واضح طور پہ نظر آنے لگے تھے۔ اس کی زندگی میں مہر کی یا اس رشتے کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ ان گزرے سالوں میں اسے بخوبی ہو گیا تھا۔

Yalc جانے کے بعد اس کی فقط چند منٹوں پر محیط پانچ یا چھ کالیں انہیں موصول ہوئی تھیں۔ جن میں کہیں بھی مہر سے خاص طور پہ بات کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ ان دونوں کی جب بھی بات ہوتی

تھی، زیب کے خود ہی مہر کو فون تھما دینے کے نتیجے میں ہوئی تھی اور اب تو ایک عرصے سے فون کی یہ فارملیٹی بھی ختم کر دی گئی تھی۔ صرف انجم اور ابراہیم صاحب تھے جو مستقل ان سے رابطے میں تھے اور ان ہی کے ذریعے ہنی کی خیر خبر اور بے تحاشا مصروفیت کی اطلاع انہیں ملتی رہتی تھی۔ وگرنہ وہ خود کہاں اور کس حال میں تھا کم از کم مہر اور اس کے والدین اس حقیقت سے مکمل طور پر لاعلم تھے۔

اس لاعلمی نے مہر کو پریشان نہیں بلکہ متوحش کر دیا تھا۔ تموز ابراہیم اس کی کل کائنات میں ڈھل چکا تھا، لیکن تموز کی کائنات میں مہر احمد نامی لڑکی کا کہیں گزر بھی تھا؟ وہ انجان تھی اور یہ بے خبری، یہ بے بسی ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے مستقبل کو مزید بے نام و نشان منزلوں کی جانب دھکیلتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اس کے ان کہے خوف خود ہی اس کی ماں کی زبان پہ بھی آٹھہرے تھے۔ اور اس روز مہر نے جانا تھا کہ ماں، ماں ہوتی ہے وہ اولاد کے دل کا بھید اس کی آنکھوں، چہروں حتیٰ کہ ان کی سانس کے زیروبم سے بھی پا لیتی ہے اور اس دن اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ زیب بیگم کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں گئی تھی۔ جب انجم بیگم کا فون آگیا تھا۔ وہ بے دلی سے کپ ماں کے سرہانے رکھ کے پلٹنے کو تھی جب انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

مہر کی بوجھل نگاہیں ماں کے چہرے پہ آٹھہری تھیں۔ جو آج نجانے کیوں اسے صبح سے ہی خاصی پریشان اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں۔

ادھر ادھر کی باتوں کا غائب دماغی سے جواب دیتے ہوئے انہوں نے ایک نظر پاس بیٹھی مہر پہ ڈالی تھی اور پھر اک گہری سانس لیتے ہوئے بہن سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"آج ایک بات بتائیں گی آپا۔"

"پوچھو زیبی۔" ان کی اچانک تمہید پہ انجم ٹھٹک گئی تھیں۔

"ہنی، مہر سے اپنے رشتے کو نبھانے کے لیے راضی ہے یا نہیں؟" اور ان کے برابر بیٹھی مہر، ماں کے منہ سے اس درجہ غیر متوقع اور دوٹوک انداز میں کیا گیا سوال سن کے ساکت رہ گئی تھی۔ جبکہ لائن کے دوسری طرف ایک پل کو خاموشی چھا گئی تھی۔ جسے محسوس کرتے ہوئے زیب بیگم کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا تھا۔

"آپا!" انہوں نے بے اختیار بہن کو پکارا تو مہر کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔ اس کی ماں پر جمی نگاہوں میں یکایک خوف ہلکورے کھانے لگا اور دوسری طرف موجود انجم بیگم کو لگا جیسے ان کے امتحان کی گھڑی آگئی ہو۔ وہ گھڑی جس کے آنے سے وہ خوف زدہ تھیں۔

"زیبی!" چند جاں گسل لمحوں کے بعد ان کی بھرائی ہوئی آواز زیب کے کانوں سے ٹکرائی تو انہیں اپنے قدموں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔

"پلیز آپا! خدا کے لیے مجھے کوئی برا جواب مت دیجیے گا۔" انہوں نے کانپتے لہجے میں استدعا کی۔ تو مہر کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔

"اللہ نہ کرے کہ میں تمہیں کوئی برا جواب دوں زیبی! لیکن سچ یہ ہے کہ میرے پاس تمہیں دینے کو فی الحال کوئی مثبت جواب بھی نہیں۔ میں خود تمہاری اور مہر کی طرح بیچ راہ میں امید کا دامن تھامے کھڑی ہوں۔"

"پھر؟" زیب نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"پھر یہ کہ تم مجھے چند دن کی مہلت دو۔"

اور زیب میں اپنی بچی کے سامنے اتنا حوصلہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ بہن سے یہ پوچھ لیتیں کہ اگر ان چند دنوں میں بھی وہ کچھ نہ کر پائیں تو.....؟

"ٹھیک ہے میں آپ کے فون کا انتظار کروں گی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے دھیرے سے کہا تو انجم اپنی بھیگی آنکھیں صاف کرتی مسکرا دیں۔

"خوش رہو۔ سلامت رہو اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ان شاء اللہ - اچھا آپا فون رکھتی ہوں۔" دل گرفتی سے کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا تو اب تک سولی پہ ٹنگی بیٹھی مہر نے ماں کا ہاتھ جکڑ لیا۔

"امی ! امی ! سب ٹھیک تو ہے ناں ؟ ہنی اس رشتے سے خوش تو ہیں ناں ؟"

"ہاں میری جان ! سب ٹھیک ہے۔" اپنی پریشانی دل میں چھپائے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے سینے سے لگا لیا تو اتنے عرصے سے مہر کے اندر سانس لیتا خوف آنسو بن کر بہنے لگا۔

"امی ! میں ہنی کے بغیر نہیں رہ سکتی... میں ان کے علاوہ کسی اور کے بارے میں اب سوچ بھی نہیں سکتی۔" ان کے سینے میں منہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔ تو زینب کی اپنی آنکھوں سے آنسو ایک قطار کی صورت گرنے لگے۔

"یا اللہ - یہ کیسی آزمائش ہم پر آ پڑی ہے۔ تو میری بچی کے حال پہ رحم فرما دے میرے مولا۔ اس کے نصیب میں کوئی دکھ نہ لکھنا یارب !" اسے خود میں سموئے انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اپنے اللہ سے استدعا کی تھی۔

☆☆☆

"کیا ؟" مارک نے بے یقینی سے اپنے سامنے بیٹھے سیم کی طرف دیکھا۔

"اس میں اتنی حیران ہونے والی کون سی بات ہے ؟" سیم نے ابرو چڑھائے۔

"حیران ہونے والی تو کوئی بات نہیں۔ لیکن تم ایک مسلم فیملی سے تعلق رکھتے ہو۔ ایسے میں یہ سب...." اس کی طرف دیکھتے ہوئے مارک جھجک کر خاموش ہو گیا۔

"ارے یار...." سیم نے مسکراتے ہوئے کان پہ سے مکھی اڑائی۔ "میں کوئی دقیانوسی قسم کا مسلم نہیں ہوں۔"

"لیکن تمہارے ماں باپ تو اس بات کو مائنڈ کر سکتے ہیں۔" مارک نے اسے دیکھا۔

"ہاں کر سکتے ہیں۔ لیکن بہرکیف یہ میری زندگی ہے۔ اور میں اسے اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا پورا حق رکھتا ہوں۔" اس کے چہرے پہ نظریں جمائے سیم نے قطعیت سے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" مارک نے کندھوں کو خفیف سی جنبش دی۔

"بس تم دونوں اس بات کا خیال رکھنا کہ اول تو میری فیملی مجھے بنا بتائے یہاں آئے گی نہیں لیکن اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پیرنٹس مجھ سے ملنے اچانک چلے آئے تو انہیں یہ ہرگز مت بتانا کہ میں یہاں سے دوسری جگہ شفٹ ہو گیا ہوں۔"

"تو کیا تم انہیں اپنے اس فیصلے سے آگاہ نہیں کرنے والے ؟" مارک اس کی بات سن کر چونکا۔

"میرا دماغ خراب ہے کیا۔" سیم نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

"میرے خیال میں سیم ! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" مارک نے سنجیدگی سے کہا۔ تو سیم بدک گیا۔

"او میرے بھائی ! تم تو اپنے یہ اچھے بیٹے والے مشورے رہنے ہی دو.... قسم سے تمہاری باتیں اور حرکتیں دیکھ کے کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے کہ تم غلط جگہ پیدا ہو گئے ہو۔"

"اچھا ؟" مارک نے مسکراتے ہوئے ابرو اچکائے " تو تمہارے خیال میں مجھے کہاں پیدا ہونا چاہیے تھا ؟"

"پاکستان ' انڈیا ' بنگلہ دیش یا ایسٹ میں کہیں بھی لیکن کم از کم امریکہ میں تو بالکل بھی نہیں۔ عجیب مشرقی انداز فکر ہے تمہارا۔" سیم نے ہنستے ہوئے اس کی پر خلوص اور نرم طبیعت پہ چوٹ کی تو مارک کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تو سیدھے سیدھے یوں کیوں نہیں کہتے بھائی ! کہ ہم امریکن بے حس ہوتے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک ہے بھلا۔" سیم اس کی جانب دیکھتا شرارت سے مسکرایا۔

"شاباش۔" مارک نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔ "اپنے بارے میں کیا خیال ہے مسٹر؟"

"میں؟ میں تو شاہی بندہ ہوں یار۔ مجھے تو سات خون معاف ہیں۔" وہ شان بے نیازی سے بولا تو مارک نے ہنستے ہوئے پاس پڑا کشن بادشاہ سلامت کے منہ پر دے مارا۔

☆ ☆ ☆

کمرے کی خاموش فضا میں انجم بیگم کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ ان کے مقابل بیٹھے ابراہیم ملک بھینچے ہوئے لبوں پہ مٹھی جمائے، چہرے پہ الجھی ہوئی سوچوں کا جال لیے بالکل خاموش تھے۔

"آپ سوچ نہیں سکتے، آج میرے دل پہ کیا گزری ہے۔ اپنی بہن کو دینے کے لیے آج میرے پاس ایک واضح اور مثبت جواب تک نہیں تھا اور یہ سب اس لڑکے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسے سرے سے مہو اور اس سے جڑے رشتے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جب تک یہاں تھا میں وقتاً فوقتاً اسے بہت کچھ باور کرواتی رہتی تھی۔ لیکن اب تو جیسے ہر چیز ہاتھ سے نکل گئی ہے... کہیں یہ لڑکا ہم سے کچھ چھپا تو نہیں رہا ابراہیم صاحب؟" بات کرتے کرتے انہوں نے اچانک خوف زدہ نظروں سے ابراہیم ملک کی طرف دیکھا تھا۔ جو خود بھی ان کی بات سن کر ساکت ہو گئے تھے۔

"میں آپ کو بتا رہی ہوں، مجھے اس لڑکے کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے... اس سے پہلے کہ یہاں کی بے حجاب فضائیں کوئی رنگ لے آئیں۔ آپ ہنی کی بے زاری کی اصل وجہ پتا کروانے کی کوشش کریں۔"

"اگر وہ کوئی کھیل ہم سے چھپ کر کھیل رہا ہے انجم! تو وہ کبھی بھی ہمیں اس کی ہوا نہیں لگنے دے گا۔"

"تو پھر ہم کیا کریں گے؟" ان کی سرخ آنکھوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔

"ایک طریقہ ہے۔" انہوں نے پر سوچ نگاہوں سے انجم بیگم کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا تھا اور

مزید کچھ کہے بنا اٹھ کر ایک طرف رکھے فون کی جانب چلے آئے تھے۔

جانا پہچانا نمبر ملانے کے بعد وہ کارڈلیس لیے صوفے پہ آ بیٹھے تھے۔ اس دوران انجم کی بے چین نظریں ان پر ہی مرکوز تھیں۔

"کیسے ہو اینڈریو؟" چند سیکنڈ کے توقف کے بعد دوسری طرف سے کال ریسیو کی گئی تو ابراہیم صاحب کے تاثرات میں قدرے نرمی در آئی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ نئی جاب کیسی جا رہی ہے؟" انہوں نے اخلاقیات نبھائی۔ اینڈریو ان کی فرم میں کچھ عرصے پہلے تک ملازمت کرتا رہا تھا اور ابھی چند ماہ پہلے ہی نیو ہیون شفٹ ہوا تھا۔ "اچھا اینڈی۔ مجھے تم سے ایک کام ہے....."

وہ اصل مدعا کی جانب آئے تھے۔ اور پھر دھیرے دھیرے اسے کام کی نوعیت سمجھانے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

اتوار کی چھٹی کے باعث صغیر صاحب کے کزن کی فیملی شام میں آئی ہوئی تھی۔ مہمانوں کی آمد نے گھر میں رونق بکھیر رکھی تھی۔ ایسے میں مہر اور جاشی کچن میں کھسی لوازمات کی تیاری میں مصروف تھیں۔ جب نویرہ باہر سے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

"آپی! جاشی! دو دن بعد حنان بھائی آ رہے ہیں۔" اس نے پرجوش لہجے میں اطلاع دی تو اس اچانک آمد کی خبر پہ جہاں مہر ساکت رہ گئی، وہیں جائشہ خوشی سے کھل اٹھی۔

"کیا؟ تمہیں کس نے بتایا؟"

"ابھی ڈیڈی کو ان کا فون آیا تھا۔" نویرہ کے جواب پر جائشہ تیز قدموں سے باہر کو لپکی تھی اور مہر کو اپنے بوجھل دل پہ مزید بوجھ بڑھتا محسوس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

حنان کی اچانک آمد کی اطلاع نے پورے گھر میں ہلچل سی مچادی تھی۔ خاص صفائیاں، اسپیشل تیاریاں، ڈرائنگ روم کے کارپٹ اور فرنیچر کی ارجنٹ

تبدیلی۔ ان دو دنوں میں گھر کا کوئی کونا نہیں بچا تھا۔ جس پہ زیب بیگم نے نظر ثانی نہ کی ہو۔ اور ان کی یہ دیوانگی مہر کے ملال میں ڈھیروں اضافہ کر گئی تھی۔

وہ کس کے لیے اس درجہ ممتا نچھاور کرتی پھر رہی تھیں؟ وہ جس نے آج تک انہیں امی کہہ کر نہیں پکارا تھا۔ حیرت کی بات تھی لیکن حنان نے ساری زندگی "آپ جناب" سے گزارا کیا تھا، مگر انہیں اپنی ماں ہونے کا اعزاز نہیں بخشا تھا اور یہ نفرت یہ حقارت وہ بھی اپنی ماں کے لیے سہنا مہر کی برداشت سے باہر تھا اور اب جب وہ زیب بیگم کو پچھلے دو دنوں سے اس کے استقبال کی تیاریوں میں گھن چکر بنا دیکھ رہی تھی تو اس کی ساری خفگی کا رخ خود زیب بیگم کی ذات کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ جو ہر بار نجانے کیسے اس لڑکے کے ساتھ اتنی فراخدلی سے پیش آنے کا حوصلہ رکھتی تھیں۔

"مہو! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں بیٹا۔ فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔" وہ اپنے کمرے میں بند کتاب پڑھ رہی تھی۔ جب دروازہ کھول کے زیب اندر داخل ہوئی تھیں۔ اسے یونہی بیٹھا دیکھ کے وہ چونک گئی تھیں۔

"آفرین ہے امی آپ پہ۔ آپ کیا سوچ کر مجھے ایئرپورٹ چلنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا ناول ایک طرف پٹخ دیا تھا۔

"بری بات ہے بیٹا۔ بھائی ہے تمہارا۔" ان کے رسان سے کہنے پہ مہر کے تلووں سے لگی تھی اور سر پہ بجھی تھی۔ وہ غصے سے کھولتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ساری زندگی ناز نخرے اٹھا اٹھا کے بھی آپ اسے اپنا بیٹا تو بنا نہ سکیں امی! میرا بھائی کہاں سے بن گیا وہ۔" اور زیب اس کے لہجے کی سختی اور چہرے سے چھلکتا اشتعال دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" انہوں نے فہمائشی نظروں سے مہر کو گھورا۔

"شکر ہے آپ کو میرا لہجہ نوٹ کرنے کی فرصت تو

ملی۔" ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر گزر گئی۔ "وہ شخص آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کا روادار نہیں اور آپ۔۔۔"

"بس یہیں چپ ہو جاؤ!" انہوں نے با آواز بلند اسے ٹوکا تو مہر کی زبان خاموش ہو گئی۔

"مجھے حنان یا کسی بھی انسان سے عزت چاہیے بھی نہیں۔ کیونکہ عزت دینا انسانی وصف ہی نہیں میں نے اپنی مرتی ہوئی سہیلی سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بچوں کا ماں بن کے خیال رکھوں گی اور میں اپنا وہی وعدہ پورا کر رہی ہوں۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کی اس تگ و دو کو محض ایک جملے میں سمیٹ دیا تو مہر کے غصے پہ ندامت کے چھینٹے پڑنے لگے۔

"مگر امی! میرا دل جلتا ہے جب میں یہ سوچتی ہوں کہ اس شخص نے آج تک آپ کو ماں کہہ کر نہیں پکارا۔" مہر کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلنے لگی تھی۔ اس کی دلی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے زیب بھی دھیمی پڑ گئی تھیں۔

"صرف تمہارا نہیں میرا بھی دل جلتا ہے۔ بیٹا۔ لیکن تم ہی بتاؤ کیا حنان اتنا اہم ہے کہ میں اس کے پیچھے تمہارے ڈیڈی کی ذات سے ملنے والی محبت، عزت اور مان کو بھلا دوں؟ اس اعلا ظرفی کو بھلا دوں جو انہوں نے تمہیں اپنے سینے سے لگا کر دکھائی۔" انہوں نے پیار سے اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے سوال کیا۔ تو مہر نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔

"مجھ سے محبت کرنا ان کا فرض تھا۔ لیکن تم سے محبت کرنا ان کا ذاتی فیصلہ تھا۔ اور ہر مرد میں یہ ظرف اور ہمت نہیں ہوا کرتی۔۔۔ تم اپنے فیصلوں میں میری طرف سے مکمل طور پہ آزاد ہو۔ میں تمہیں کبھی پریشرائز کر کے پریشان نہیں کروں گی۔ مگر حنان کے ساتھ اپنا رویہ طے کرتے ہوئے یہ بات یاد رکھنا مہر کہ وہ تمہارے ڈیڈی کا بیٹا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے مہر کے لیے آزمائش کا نیا در کھول دیا تھا۔ کاش کہ اسے علم ہوتا کہ وہ جن محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کر رہی ہے، ان کا کبھی اسے خراج بھی ادا کرنا ہوگا، تو وہ کبھی جھولی بھر بھر کے انہیں نہ سمیٹتی۔

☼ ☼ ☼

"دھوکا" پانچ حرفوں سے بنا ایک لفظ۔ جسے انہوں نے بارہا سنا، پڑھا اور بولا تھا۔ مگر جس کی اذیت کو پوری شدت سے سہنے کا تجربہ انہیں آج پہلی بار ہوا تھا۔ کیونکہ اس لفظ کو اپنے پورے سیاق و سباق کے ساتھ انہیں سمجھانے والا کوئی اور نہیں بلکہ ان کا اپنا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جو ان کی کل کائنات تھا۔ ان کی آنے والی نسلوں کا امین تھا۔

اینڈریو کے الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ۔ ابراہیم صاحب کو لگا تھا جیسے ان سے سننے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔

"کیا؟" انہوں نے لرزتے وجود کے ساتھ دیوار کا سہارا لیا تھا۔

"جی سر۔ آپ کا بیٹا سیم یہاں ایک امریکن لڑکی کے ساتھ Live in relationship (بغیر شادی کے ایک ساتھ رہنا) میں رہ رہا ہے۔" اور ابراہیم ملک کو لگا تھا جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے ۔۔۔ زمین اور آسمان گھوم گئے تھے۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)